گناہانِ کبیرہ

غلام حسین عدیل
یو کے

شریکۃ الحسین پبلی کیشنز پکی شاہ مردان
Mianwali,Lahore,Pakistan
Ph:0459-392484 042-7115774

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب..... گناہان کبیرہ

مصنف .....مولانا غلام حسین عدیل (یوکے)

سرورق.....سید راشد صغیر رضوی

کمپوزنگ..... علی حیدر

سال اشاعت..... ۲۰۰۴ء

پرنٹرز.....الاعتماد پرنٹنگ پریس داتا دربار لاہور

ناشر.....شریکۃ الحسین پبلی کیشنز پکی شاہ مردان

ملنے کا پتہ.....جامعہ السیدہ خدیجۃ الکبریٰؑ پکی شاہ مردان میانوالی

سٹاکسٹ:۔

(۱) افتخار بک ڈپو اسلام پورہ لاہور

(۲) شریکۃ الحسینؑ پبلی کیشنز پکی شاہ مردان میانوالی

Ph:0459 392484 Email: almahdi_14@yahoo.com

صلوات کاملہ

یَارَبَّ مُحَمَّدٍ وَّ آلِ مُحَمَّدٍ

اے محمد وآل محمد کے ربّ جلیل

صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّآلِ مُحَمَّدٍ

محمد اور آل محمد پر صلوات بھیج

وَعَجِّلْ فَرَجَ آلِ مَحَمَّدٍ.

اور آل محمد کی گشائش (حکومت کے قیام) میں جلدی فرما

نوٹ: بعض عاملین کا تجربہ ہے کہ جو شخص روزانہ اس صلوات کو ۱۳

مرتبہ پڑھے گا اسے امام زمانہ عج کی زیارت نصیب ہوگی

یہ صلوات حضرت جبرائیل نے جناب یوسفؑ کو زندان میں تعلیم دی اور حضرت یوسف اس کا ورد کرتے تھے

بسمِ اللّٰہ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیم

اَللّٰھُمَّ کُنْ لِّوَلِیِّكَ الْحُجَّةِ بْنِ الْحَسَنِ

اے اللہ تو اپنے ولی حضرت حجت ابن حسن عسکری

صَلَوَاتُكَ عَلَیْهِ وَعَلٰی آبَائِهِ

(تیری صلوات ان پر اور ان کے آباء واجداد پر صبح وشام اور ہر آن ہو)

فِیْ هٰذِهِ السَّاعَةِ وَفِیْ کُلِّ سٰاعَةٍ

کا اس گھڑی میں اور ہر آن میں سرپرست و نگہبان

وَلِیاً وَحَافِظاً وَقَائِدًا وَنَاصِراً وَدَلِیْلاً وَعَیْناً

حامی راہنما مددگار دیکھنے والی آنکھ اور سرپرست

حَتّٰی تُسْکِنَهُ اَرْضَكَ طَوْعاً وَتُمَتِّعَهُ فِیْهَا طَوِیْلاً

بنا رہے یہانتک کہ تو اسے اپنی زمین میں اختیار کے ساتھ سکونت عطاء

فرما اور یہ کہ تو اسے اپنی زمین میں لمبی مدت تک فائدہ پہنچا

نوٹ: یہ دعاء امام زمانہ (عجل) کی سلامتی کی نیت سے روزانہ پڑھیں۔

شب عاشور امام حسینؑ کا اپنے منتقم بیٹے حضرت قائمؑ کا تذکرہ

حضرت ابوجعفر امام محمد باقر علیہ السلام کی حدیث میں ہے کہ امام حسین علیہ السلام نے اپنے اصحاب سے شب عاشورا فرمایا۔

ابشروا بالجنة انا نمكث ماشاء الله بعد مايجرى علينا ثم يخرجنا الله واياكم حتى يظهر قائمنا فينتقم من الظالمين وانا وانتم نشاهدهم فى السلاسل والاغلال وانواع العذاب؟

فقيل له: من قائمكم يا بن رسول الله؟

قال السابع من ولد ابنى محمد بن على الباقر وهو الحجة بن الحسن بن على بن محمد بن على بن موسىٰ بن جعفر بن محمد بن على ابنى وهو يغيب مدة طويلة ثم يظهر ويملأ الارض قسطا وعدلا كما ملئت ظلما وجورا۔

(ترجمہ) آپ سب کو جنت کی بشارت ہو۔ خدا کی قسم! یہ بات جان لو کہ ہمارے خلاف جو کچھ ہونا ہے جب یہ سب کچھ ہو جائے گا تو جس قدر اللہ تعالیٰ چاہے گا اور جو اس کی مشیت میں ہوگا ہم (خاص مقام) میں ٹھہریں گے پھر اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ سب کو وہاں سے باہر نکال لائے گا۔ ایسی حالت میں ہمارے قائمؑ کا ظہور پرنور ہو جائے گا..... پس ہمارے قائمؑ سارے ظالموں سے انتقام لیں گے اس وقت میں خود اور آپ سب ان ظالموں کو ہتھکڑیوں، بیڑیوں اور زنجیروں میں جکڑا ہوا دیکھیں گے اور ہم انہیں مختلف قسموں کے عذابوں میں مبتلا مشاہدہ کریں گے ان کو طرح طرح کا عذاب دیا جارہا ہوگا اور ہم سب اس منظر کو دیکھ رہے ہونگے۔

پس آپؑ سے سوال کیا گیا: یا بن رسول اللہؐ آپ کے قائمؑ کون ہیں؟

امام حسین علیہ السلام نے فرمایا: میرے بیٹے محمد بن علی الباقر کے ساتویں فرزند ہمارے قائم ہیں اور وہ حجت ہیں جو حسن بن علی بن محمد بن علی بن موسیٰ بن جعفر بن محمد ہیں اور محمد میرے بیٹے علی کے فرزند ہیں اور وہ (ہمارے قائم) ایک لمبی مدت کے لیے غائب ہوں گے پھر وہ ظہور فرمائیں گے اور زمین کو عدالت اور انصاف سے بھر دیں گے جس طرح ظلم و جور سے بھر چکی ہوگی۔ (بحوالہ اثبات الرجعۃ و مقتل الحسین للمقرم)

فہرست

کچھ اس کتاب کے بارے میں 8

نظام زندگی پر گناہوں کے اثرات 11

نا امیدی لانے والے گناہ 19

حضرت یوسفؑ کے برادران کا قصہ 28

گناہوں سے نیک اعمال ضائع ہو جاتے ہیں 29

حسد اور اس جیسے گناہ کی پیدائش کے اسباب 33

ریا کاری اور دکھلاوا 40

کریم النفس کے لیے 51

خود پسندی 56

خود پسندی کا علاج 64

سیرت معصومین (علیہم السلام) کا مطالعہ خود پسندی کے خاتمہ کا ذریعہ ہے 68

مال حرام کا اثر 70

موت کی اقسام 73

قطع رحم کا نتیجہ 75

جھوٹ بولنا 76

زنا 78

دل کے احوال اور اقسام 83

غریب اور امیر کا قصہ 88
حضرت امیر المومنین (علیہ السلام) کی اپنے بیٹے امام حسنؑ سے وصیت 93
مقصد حیات سے بے خبری 100
ایثار و بخشش احسان اور نیکی کے راستے سے انحرات 108
شراب و غنا 111
ناپ تول میں کمی 114
خواہشات نفسانی کی پیروی 118
خدائی تدبیر 122
یاد خدا 128
غرور و تکبر 131
موت 132
آخرت فراموشی 137
ابلیس کی ہدایات 142
علم کی اقسام 144
معاذ کا رسول اللہؐ سے امر عظیم کا سوال 147
گناہ اولیاء خدا کی دشمنی کا باعث بنتے ہیں 156
کامیابی کا راز 159
اختتامیہ 161

کچھ اس کتاب کے بارے میں

زیرِ نظر کتاب انسانی زندگی پر گناہوں کے اثرات پر لکھی گئی ہے۔ اور اس عنوان پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ قرآن و احادیث کے حوالوں سے مولف نے اِنتہائی خوش اسلوبی سے اس عنوان کو تفصیلی بیان کیا گیا ہے۔

اور اس کتاب کا مطالعہ یقیناً اس کے قاری پر ایک مثبت اثر مرتب کرے گا۔ اور کسی بھی مصنف یا مولف کی یہ خوبی ہوتی ہے کہ وہ اپنے مافی الضمیر کو اپنے قاری کے ذہن تک منتقل کر سکے۔

گنہگار..... ذہنی، قلبی اور روحانی طور پر احساس گناہ کے بوجھ تلے دبا رہتا ہے۔ گناہوں میں غرق انسان کے اندر بھی ایک وقت اس احساس گناہ کے تحت اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرف رجوع کا خیال پیدا ہوتا ہے۔ چاہے زندگی کے کسی دور میں ہی کیوں نہ ہو۔

زیرِ نظر کتاب میں اسی انسانی جبلت کو جھنجھوڑنے، بیدار کرنے اور توبہ کی طرف رجوع کرنے پر بحث کی گئی ہے۔

سورہ اعراف آیت ۱۷۹ میں گناہوں میں ڈوبے ہوئے انسان کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے کہ ”یہ حیوانات ہیں بلکہ حیوانوں سے بھی بدتر“ گناہوں اور شیطان کے چنگل میں پھنسا ہوا آلودہ شخص بے حس ہو جاتا ہے۔ اس کی اس بے حسی کو بیدار کرنا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ زیرِ نظر کتاب میں انسان کے قلب و ذہن و جسم پر گناہوں کے روحانی، طبی اثرات کو بیان کر کے بحث کی گئی ہے کہ انسان اگر اس گناہ آلود زندگی سے توبہ کی طرف مائل ہو جائے اور رغبت اختیار کرے تو اس کو کون کون سے روحانی سکون مہیا ہو سکتے ہیں۔

گناہ جہاں دیگر اثرات چھوڑتا ہے وہاں انسان کو ناامیدی اور مایوسی کی اتاہ گہرائی میں پھینک دیتا ہے۔ ایسے انسان کو توبہ کی طرف لانا اور پھر اسے سیدھے راستے پر چلانا یقیناً اتنا آسان نہیں مگر اس کتاب کے مطالعہ کے بعد گنہگار سے گنہگار انسان بھی گناہوں سے ندامت محسوس کرنے لگتا ہے۔ گناہوں سے نادم ہونا ہے دراصل توبہ کی طرف رجوع کا نام ہے۔

قران و احادیث معصومینؑ میں ان تمام عناوین پر سیر حاصل بحث موجود ہے مگر ان آیات وفرامین کے لیے موقع محل تلاش کر کے اسے بیان کرنا یہ ہی کسی ناصح، مولف یا مصنف کا اصل کارنامہ ہوتا ہے۔ گنہگار انسان کو مایوسی سے نکال کر ایک خوبصورت، جاذب نظر اور دنیا و آخرت میں سرخرو ہونے کے لیے طے شدہ حتمی مسائل سے آگاہ کرنا اور اسے گناہ سے نفرت دلا کر نیکی پر آمادہ کرنا اور پھر اسے نیکی پر قائم رکھنا۔ ان مراحل سے کسی بھی ناصح کو گزرنا پڑے تو اسے ایک طویل محنت کرنا پڑتی ہے اور پھر اللہ تعالیٰ کی توفیق اس کے شامل حال ہو تو اسے حوصلہ افزاء نتائج ملنے پر ایک لذت محسوس ہوتی ہے۔

زیر نظر کتاب ''گناہوں کے اثرات'' میں مؤلف نے اپنے عنوان کے ساتھ بھرپور انصاف کیا ہے اور اس کتاب کے قارئین اس کے مطالعہ سے اپنے اندر معرفت خداوندی کی روشنی کو محسوس کریں گے۔

اور یہ کسی بھی قلمکار کی کامیابی کی دلیل ہے کہ وہ اپنے موقف کو اپنے قاری کے ذہن میں بٹھانے میں کامیاب ہو جائے۔ اور انشااللہ اس کتاب کے قاری کا سفر نا اُمیدی سے اُمید کی طرف اور اندھیرے سے روشنی کی طرف جب شروع ہوگا تو وہ مؤلف کے لیے دعا گو نظر آئے گا۔ اللہ تعالیٰ مؤلف کی توفیقات میں اضافہ فرمائے

جنہوں نے اتنے مشکل ترین عنوان کو اپنے روایتی سہل انداز میں بیان کر کے محبت آمیز لہجے میں ایک طرف تو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کیا ہے اور دوسری طرف گنہگاروں کو راہ راست دکھانے اور انہیں اس پر راغب کرنے اور قائم رکھنے کے لیے بھرپور محنت کی ہے۔

اُمید ہے کہ معزز قارئین اس کتاب کا سرسری نہیں بلکہ دقیق مطالعہ کر کے اس پر عمل پیرا ہو کر دنیا و آخرت میں کامیاب و کامران ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ مؤلف کی محنت کے ثمرات کو مزید توفیقات کی شکل میں عطا کرے اور مؤلف کی اس کوشش کو بارگاہ حضرت امام زمانہ (عج) میں شرف نیاز حاصل کرنے میں کامیاب و کامران کرے۔

شاعر آل عمران

ملک صفدر حسین ڈوگر

حرف آغاز

نظام زندگی پر گناہوں کے اثرات

خداوند عالم نے انسان کے وجود میں کائناتی خصوصیات رکھ دی ہیں ۔عالم ہستی کے تمام اسرار اس میں ودیعت کردیئے ہیں ۔ہرانسان اپنے مقام پر منفرد صفات اور امتیازات کا حامل ہے ۔نفسیاتی کیفیتوں کے ساتھ ساتھ اس کے فطری تقاضے بھی ہیں ۔اگراس کی جبلت وفطرت پر نگاہ کریں تو اس میں ایسے محرکات بھی ہیں جو اسے شر اور بدی کی طرف لے جاتے ہیں جب کہ دوسری طرف اسکی ذات میں ایسی کیفیات بھی ہیں جو انسان کو نیکیوں کے راستوں کی نشاندہی کرتی ہیں ۔

ان دو قسم کی صفات کے امتزاج سے انسان میں بگاڑ کا اندیشہ ہے لہٰذا ایک وسیع نظام ہدایت کی ضرورت ہے کہ جو انسان کے اندر موجود بظاہر ان متضاد صفات کو اپنے اعتدلال میں رکھے چنانچہ خداوند عالم نے ابتدائے امر سے ہی ہدایت کا سلسلہ شروع کیا جو اب تک جاری ہے درحقیقت ہادی وراہنما ہی ہوتا ہے جو انسان کی فطرت کو بیدار کرتا ہے..... عقل انسانی کو بیدار اور تقویت پہنچاتا ہے تا کہ انسان نفسانی خواہشات اور اس کے اندرونی رجحانات پر قابو پاسکے اور وہ دنیا و آخرت کی سعادت حاصل کر سکے ۔

عقل انسانی کی بیداری درحقیقت انسانی اقدار کی ضامن ہے اور عزت وشرف کی عظمت اور بیداری کا نام ہے چنانچہ اسلام ہی انسان کے تکامل اور اقدار معنوی کا مکمل ضابطہ حیات ہے ۔

خداوند عالم نے ہادی بھیجے تا کہ انسان میں تکامل اور کمال کے راستوں کی

نشاندہی کریں، کمال اور تکامل تب ہی حاصل ہوسکتا ہے کہ جب انسان اپنی زندگی کو الٰہی تعلیمات پر استوار کرے اور ہر وہ کام جو کمال اور سعادت کے راستے میں ضرر رساں ہے اسے ترک کرے چونکہ اس راستے میں جتنی رکاوٹیں ہونگی جتنی مشکلات اور تکالیت کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اتنا ہی خوشنودی اور تقرب زیادہ ہوگا۔

تکامل اور تقرب کے راستہ کی سب سے بڑی رکاوٹ

تکامل اور تقرب کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ گناہ اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہے لہٰذا! گناہ سے بچنے کیلئے ضروری ہے کہ یہ معلوم ہو کہ انسانی زندگی پر گناہوں کے کیا اثرات ہیں؟ اور گناہوں کی وجہ سے کون سے نقصانات کا انسان کو سامنا کرنا پڑتا ہے؟ جب انسان کو گناہوں کے مذموم اثرات کا علم ہوجائے گا تو اس کے لیے گناہ سے اجتناب آسان ہوگا۔

اسی وجہ سے علم اور معرفت کی بہت اہمیت ہے اگر غذا میں زہر کا علم ہو تو اسکے اجتناب کیلئے ہر حیلہ اور ہر وسیلہ تلاش کیا جاتا ہے چونکہ زہر کا اثر موت ہے جس طرح زہر کھانے سے انسانی جان پر موت واقع ہوجاتی ہے اسی طرح فاسد اور اخلاقی پستی سے روح انسانی مردہ ہوجاتی ہے درحقیقت گناہ ایک بیماری ہے جس کا اثر انسان کی روح پر پڑتا ہے اور یہی گناہ جب خطرناک شکل اختیار کرلیتا ہے تو اس کی وجہ سے روح انسانی کی موت واقع ہوجاتی ہے۔

روحانی امراض کا بھی علاج ہے

جس طرح جسمانی امراض کیلئے علاج ضروری ہے اسی طرح روحانی امراض کا بھی معالجہ چاہیے، اور روحانی امراض کا علاج بھی موجود ہے اس کا علم

حاصل کرنا ضروری ہے..... ماہرین امراض روحانیات کے نزدیک روحانی امراض تقویٰ الٰہی اور گناہوں کے ترک سے دور ہوتی ہیں جب تک ان امراض کا علاج نہیں ہو پاتا انسان کمال وسعادت کی منازل سے محروم رہتا ہے۔

لہٰذا ہم قرآن واحادیث اور معصومین علیہم السلام کہ جو ہادیان برحق ہیں، انکے فرامین کی روشنی میں گناہ کے اثرات ونقصانات پر گفتگو کریں گے تا کہ انسان علم وآگاہی اور شناخت ومعرفت کے ساتھ گناہوں کے خطرات سے اپنا دفاع کر سکے۔ اُمید ہے کہ اہل ایمان اس سے بھر پور استفادہ کریں گے اور حقیر کو اپنی خاص دعاؤں میں شامل فرمائیں گے۔

خداوند عالم سے التجا ہے کہ وہ ہم سب کی توفیقات میں اضافہ فرمائے ہمارے دلوں کو امام زمانہ (عج اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف) کی دعائیں نصیب فرمائے۔

آخر میں ارباب نظر سے اُمید ہے کہ وہ اپنی خاص عنایات کے پیش نظر اپنی آراء ونظریات سے بھی نوازیں گے اور جہاں کہیں کوتاہی نظر آئے اسکی اصلاح فرمائیں گے خداوند عالم سے مزید توفیقات کی التجاء اور مومنین سے التماس دعا کے ساتھ۔

غلام حسین عدیل برنلے۔ برطانیہ

گناہوں کی پیدائش کے اسباب

علماء اخلاق نے گناہوں کی پیدائش کے تین اسباب بیان کئے ہیں۔

۱۔قوت شہوانیہ ۲۔قوت غضبیہ ۳۔قوت وھمیہ

یہ تینوں قوتیں انسان کی فطرت اورخلقت کا حصہ ہیں ان کو اعتدال میں رکھنا انسان کیلئے مفید اور نفع بخش ہے انکے توازن کا درہم برہم ہونا خطرناک ہے۔ درحقیقت ان تینوں قوتوں کے عمل میں افراط وتفریط سے اکثر گناہ وجود میں آتے ہیں۔

قوت شہوانیہ اگرانسان اسے کنٹرول نہ کرے تو وہ دوسروں کی ناموس پر دست درازی، شرعی حدود سے تجاوز کرتا ہے دوسروں کے حقوق کی پامالی اور اسی قسم کے دوسرے گناہوں میں انسان مبتلا ہوجاتا ہے۔

قوت وھمیہ اس قوت کو قابو میں نہ رکھاجائے تو طبیعت میں انتشار، انسان کادل ودماغ شیطان کے وسوسوں کی آماجگاہ بن جاتا ہے۔

انہی تینوں طاقتوں میں بے اعتدالی کی وجہ سے جاہ طلبی، تکبر، دنیا پرستی، خواہشات نفسانی کی پوجا اور ہواوہوس جیسی رذیلہ صفات جنم لیتی ہیں جوانسان کو ہلاکت وگمراہی کی جانب کھینچ کر لیجاتی ہیں اور انسان حق وحقیقت سے دور ہوجاتا ہے وہ خواب غفلت میں مبتلا ہوکر آخرت کو بھول جاتا ہے شہوت پرستی کے غلبے سے دل پر پردے پڑجاتے ہیں اور انسان کے باطن میں فساد آجاتا ہے پھر وہ حق بات کہنا اور سننا تک برداشت نہیں کرسکتا حق پر عمل تو دور کی بات ہے وہ حق کو قبول کرنے سے بھی انکاری ہوجاتا ہے قرآن کریم نے ایسوں کے لئے نہایت دل نشین انداز میں فرمایا

صم بکم عمی فھم لا یرجعون.

صم :''وہ بہرے ہیں حق بات نہیں سنتے حالانکہ یہ ان کے علم میں ہے کہ حق ہے لیکن سننا گوارنہیں کرتے''۔

بکم ''وہ گنگے ہیں حق بات نہیں کہتے حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ یہ حق ہے مگر حق کہنا گوارانہیں کرتے'

عمی ''وہ اندھے ہیں یعنی حق کو قبول نہیں کرتے بنیاد رکھتے ہوئے اندھے پن کا مظاہرہ کرتے ہیں سے بے بہرہ ہیں حالانکہ وہ دیکھ رہے ہوتے ہیں کہ فلاں بات ایسے ہے مگر وہ اسے تسلیم کرنا گوارانہیں کرتے''۔

لا یرجعون ''واپس نہیں لوٹیں گے''۔

یعنی حق پر عمل نہیں کرتے اور نہ ہی اس سلسلے میں کوئی قدم بڑھاتے ہیں نتیجہ پس ہر انسان پر لازم ہے کہ ان قوتوں کو اعتدال میں رکھے اگر ایسا نہیں کرے گا تو وہ بے اعتدالی کی وجہ سے گناہوں میں مبتلا ہو جائے گا اور گناہوں کی وجہ سے انسان حق و حقیقت سے دور ہو جاتا ہے کہ جس کے نتیجے میں وہ ذاتِ توحید اور رب العالمین کے ساتھ ارتباط کھو بیٹھتا ہے پھر وہ دعا و مناجات اور اپنے پروردگار کیساتھ راز و نیاز کی لذت سے بھی محروم ہو جاتا ہے۔

انسان اگر تکامل اور کمال چاہتا ہے تو وہ ان قوتوں کو اعتدال میں رکھے اعتدال تب ہی میسر ہوگا جب انسان عقل کو بروئے کار لائے گا اور اس عظیم گوہر سے استفادہ کرے گا۔

عقل وفکر کا کام

عقل وفکر اور شعور ہے کہ جن سے انسان قوتوں کو کنٹرول کرسکتا ہے اور انہیں قابو میں رکھ سکتا ہے اور جو ان قوتوں کو بے لگام کردے اور انہیں کنٹرول نہ کرے تو یقینی بات ہے کہ اس نے منزل حیوانیت سے قدم آگے نہیں بڑھایا ہے وہ حیوانیت ہی کے درجہ میں سرگرداں ہوتا ہے۔ بلکہ وہ خود کو حیوانات سے بھی پست تر کرلیتا ہے کیونکہ حیوان ایک جہت والاموجود ہے ان میں فقط حیوانی پہلو ہے حیوانات میں عقل کی طاقت موجود نہیں ہے جوان تین متضاد قوتوں کو کنٹرول کرسکے۔

انسان، فرشتوں اور حیوانات میں امتیاز

حیوانات غضب وشہوت رکھتے ہیں اورانکا استعمال بغیر قید وشرط کے کرتے ہیں جب کہ ملائکہ خداوند عالم کی نورانی مخلوق ہیں انکا بھی ایک پہلو ہے اور وہ ملکوتی اور عقلی پہلو ہے البتہ انسان میں دو پہلو ہیں ایک شہوانی پہلو ہے یعنی اس میں قوت شہویہ وغضبیہ، وھمیہ بھی ہے اور دوسرا پہلو ملکوتی وانسانی ہے یعنی عقل وفکر رکھتا ہے اورملکوتی صلاحیتوں کا مالک ہے، دونوں پہلو مکمل طور پر اس میں شامل ہیں۔

انسان کی برتری کا معیار

انسان اگر عقل کی پیروی کرتے ہوئے اپنی خواہشات نفسانی پر غلبہ پالے تو وہ فرشتوں سے افضل ہے کیونکہ اس نے قوتِ شہویہ، غضبیہ اور وہمیہ جیسے عوامل کے باوجود انہیں کنٹرول میں رکھا اور عقل کی اطاعت کی جبکہ فرشتوں میں تو قوت شہویہ، غضبیہ اور وہمیہ تھی ہی نہیں اور گناہوں کے تقاضے ہی ان میں موجود نہیں تھے جب کہ انسان نے گناہوں کے تقاضے ہونے کے باوجود سب کچھ ٹھکرا کر عقل کی پیروی کی تو

اس لحاظ سے وہ فرشتوں سے افضل ہے۔

البتہ اگر وہ شہوت وغضب کی پیروی کرے گا تو پھر حیوانات سے بھی بدتر شمار ہوگا کیونکہ حیوانات کے پاس تو شہوت وغضب ووہم کے مدمقابل عقل جیسی طاقت موجود ہی نہیں تھی کہ وہ اسے استعمال کر کے غضب وشہوت ووہم پر غلبہ کر لیتا اگر انسان عقل جیسی عظیم طاقت کے ہوتے ہوئے اسے استعمال نہ کرے اور ان قوات کے سامنے شکست کھا جائے اور ان کا غلبہ اس پر ہوجائے وہ ان کو اپنے کنٹرول نہ لا سکے تو پھر اسکا شمار حیوانوں سے بدتر ہوتا ہے۔

قرآن کریم نے ارشاد فرمایا

اولئک کالانعام بل هم اضل (سورہ اعراف آیت ۱۷۹)

''یہ حیوانات ہیں بلکہ حیوانوں سے بھی بدتر''۔

کیونکہ حیوانوں میں علم وآگہی نہیں گناہوں سے واقفیت نہیں وہ عقل وفکر نہیں رکھتے۔ لہٰذا ان کے غلط اقدامات کی کوئی شخص بھی انہیں توبیخ و مذمت نہیں کرتا جب کہ وہ دن میں کئی گناہ کرتے ہیں۔ یعنی ایسے اعمال بجالاتے ہیں جنہیں اصطلاح گناہ کہا جاسکتا ہے۔ نہ فقط ان کی مذمت نہیں کی جاتی بلکہ لوگ ان کے گناہوں کو محسوس بھی نہیں کرتے کیونکہ سب یہ بات جانتے ہوئے کہ فلاں حیوان نے ناجائز طور پر دوسرے کے کھیت کو ویران کیا ہے یا مالک کی فصلوں کو اجاڑ دیا ہے۔ لیکن لوگ یہی کہہ کر کہ ''یہ بے شعور ہیں'' بات ختم کر دیتے ہیں۔ اگر اعتراض کیا جاتا ہے تو ان کے مالک پر کیا جاتا ہے۔

اس حیوان کے خلاف سخت ایکشن نہیں لیا جائے گا جب کہ انسان سے اس کے غلط کام کرنے پر کہا جاتا ہے کہ تو ں اشرف المخلوق ہے، عقل جیسے گوہر کا مالک

ہے، تجھے کیسے حق پہنچتا ہے کہ تو زیادتی کرے، اس کا بہانہ نہ سنا جائے گا کہ غضب و شہوت کی وجہ سے ایسا ہوا اسے کہا جائے گا تیرے پاس جب عقل و شعور ہے تو تو نے اسے استعمال کیوں نہیں کیا، توں تو ایک ایسی صفت کا حامل ہے جس سے توں باقی تمام موجودات سے ممتاز بنا ہے۔ اس صلاحیت کو استعمال نہ کرنے کی پاداش میں وہ حیوان ہی نہیں بلکہ اس سے بھی بدتر ہوجاتا ہے چونکہ اس نے حیوانی صفات کا اپنے لیے انتخاب کیا ہوتا ہے۔

گناہوں سے نا اُمیدی پیدا ہوتی ہے

گناہوں کے اثرات میں سے ایک اثر یہ ہے کہ انسان کے اندر گناہوں کے ارتکاب سے نا اُمیدی پیدا ہوجاتی ہے۔ وہ اپنے ضمیر و وجدان میں مایوسی کی کیفیت کا احساس کرتا ہے اور اپنے لیے اُمیدوں کے راستوں کو مسدود پاتا ہے۔ گناہوں کی وجہ سے انسان کے روح میں رحمتِ الٰہی کا یقین ختم ہوکر رہ جاتا ہے۔ جس کے نتیجے میں اس کے واسطے توبہ کا سامان فراہم نہیں ہو پاتا۔

حضرت امام علی علیہ السلام دعائے کمیل میں فرماتے ہیں۔

اللھم اغفرلی الذنوب التی تقطع الرجاء

''بارالہا! میرے ان گناہوں کو معاف کردے جن سے اُمیدیں ختم ہوجاتی ہیں''۔

مایوسی سے توبہ کی توفیق چھن جاتی ہے اور دل پر شیطانی گھراؤ ہوجاتا ہے۔ اور خواہشات نفسانی کی مستی میں اسے موت کا منہ دیکھنا پڑتا ہے۔

انسان کو اس حالت سے اپنے پروردگار سے پناہ مانگنی چاہیے کہ جب قلب انسانی پر نا اُمیدی اور مایوسی چھا جائے اور توبہ کے راستے بند ہوجائیں۔

سید الساجدین امام زین العابدین علیہ السلام فرماتے ہیں:

نا اُمیدی لانے والے گناہ

والذنوب التی تقطع الرجاء..... الیاس من روح اللہ والقنوط من رحمۃ اللہ والثقۃ بغیر اللہ والتکذیب بوعداللہ عزوجل

(معانی الاخبار ص ۲۷۱)

''وہ گناہ جو انسان کے اندر نا اُمیدی پیدا کرتے ہیں، اور اسے اللہ کے روح و ریحان سے دور کردیتے ہیں، وہ گناہ رحمتِ الٰہی سے نا اُمید ہونا، غیر خدا پر اعتماد کرنا، اور وعدہ الٰہی کو جھٹلانا ہے''۔

رحمت الٰہی سے مایوسی کیونکر

انسان گناہ سے کیسے نا اُمید ہوتا ہے؟ اور اس کے نفس میں کیا کیفیتیں پیدا ہوتی ہیں۔

رحمتِ الٰہی سے کیوں مایوس ہوجاتا ہے؟ اس مطلب کی وضاحت کے لیے ایک اہم واقعہ ملاحظہ فرمایئے۔

حمید بن قحطبہ، بنی عباس کے بڑے کارندوں سے ایک تھا اور ان کی حکومت کو بچانے کا اہم ستون تھا۔ اس نے بنوعباس کی حکومت کو بچانے کے لیے بہت زیادہ مظالم کیے۔

شیخ صدوقؒ، عبیداللہ بن بزاز نیشاپوری (جو کہ بڑے نیک آدمی تھے) سے نقل کرتے ہیں۔ (واقعہ کی مختصر روداد یہ ہے)

انہوں نے کہا! میرے اور حمید بن قحطبہ کے درمیان ایک معاملہ پیش آ گیا تھا۔ لہٰذا ہم نے آپس میں طے کیا کہ ظہر کے وقت اسی کے گھر مل کر اس مسئلہ پر گفتگو

کرلیں گے۔ اتفاقاً یہ ایام ماہِ مبارک رمضان کے تھے۔ اس نے ظہر کے وقت میری پذیرائی کے لیے کافی کچھ انتظام کررکھا تھا۔ پذیرائی، کی جگہ ایک بہت بڑا ہال تھا کہ جس کے وسط میں ایک چشمہ رواں تھا۔ میں پذیرائی ہال میں بیٹھا ہی تھا کہ پانی کا لوٹا اور تولیہ لے کر آ گئے۔ حمید نے سب سے پہلے اپنے ہاتھوں کو دھویا اور پھر مجھے کہا کہ آپ بھی ہاتھ دھولیں۔ ہاتھ دھوئے ہی تھے کہ دسترخوان بچھا دیا گیا۔ اور اس پہ رنگارنگ قسم کے کھانے لگادیئے۔ حمید نے کھانا کھانا شروع کردیا۔ اور مجھے بھی کہا کہ آپ بھی شروع کریں۔ پہلے تو میں بھول چکا تھا کہ ماہِ مبارک رمضان ہے جونہی کھانے کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ یکدم ذہن میں آیا کہ ماہِ مبارک ہے اور میں روزے سے ہوں، فوراً اپنے ہاتھ پیچھے کھینچ لیے۔

حمید نے کہا! آپ کیوں نہیں کھا رہے ہیں؟

میں نے کہا۔ ماہِ رمضان ہے میں نہ بیمار ہوں اور نہ کوئی اور عذر شرعی ہے۔

ممکن ہے آپ روزہ رکھنے سے معذور ہوں گے، میرا تو روزہ ہے۔

حمید نے کہا! میرا بھی کوئی عذر شرعی نہیں اور نہ ہی میں بیمار ہوں۔ یہ باتیں کہنے کے بعد وہ زاروقطار رونے لگا۔

میں نے کہا! اے گورنر آپ کیوں رو رہے ہیں؟

اس نے جواب دیا! یہ ایک عجیب داستان ہے جب ہارون طوس میں تھا ایک دفعہ رات کو اس نے اپنے خادم کو میرے پاس بھیجا کہ آئیں آپ کو ہارون بلا رہا ہے۔

جب میں پہنچا تو دیکھا چراغ روشن ہے اور ننگی تلوار سامنے لٹک رہی ہے۔ خادم ساتھ کھڑا ہے۔ جونہی مجھے دیکھا، ہارون نے میری طرف مخاطب ہوکر کہا۔

کس حد تک ہماری اطاعت کرتے ہو؟

میں نے کہا! میرا جان ومال آپ کی اطاعت پر قربان ہے۔

ہارون نے سر جھکا لیا تھوڑا سوچنے کے بعد کہا آپ گھر واپس چلے جائیں۔

میں اپنی اقامت گاہ پہ پہنچا ہی تھا کہ اس کا مخصوص ایلچی پھر بلانے کے لیے آ گیا۔ میرے ذہن میں آیا کہ ہارون شاید آج مجھے قتل کرنا چاہتا ہے۔ چاروناچار پھر اس کے پاس پہنچا۔ اس نے اپنے سر کو اٹھایا اور کہا۔

تم کس حد تک ہمارے اطاعت گزار ہو؟

میں نے کہا! میں اپنی جان ومال اور اپنی آل واولاد بھی آپ پر قربان کرتا ہوں۔

ہارون نے میری بات پہ تبسم کیا اور مجھے کہا کہ آپ واپس گھر جاسکتے ہیں۔

میں گھر پہنچا ہی تھا کہ تھوڑی ہی دیر بعد پھر وہی نگہبان پہنچ گیا کہ ہارون نے تمہیں بلا بھیجا ہے میں بادل ناخواستہ پھر اس کے پاس پہنچا۔ اس نے وہی جملہ تکرار کیا۔

تم خلیفہ کی کس حد تک اطاعت کرتے ہو؟

میں نے کہا! میری جان و مال، میرے اہل وعیال اور میرا دین وایمان بھی خلیفہ کی اطاعت میں قربان ہے۔

میری یہ بات سن کر ہارون ایک دفعہ زور سے ہنسا اور کہا۔ یہ تلوار لے لیں۔ میرا خادم جو کچھ تجھے کہے اسے انجام دو۔

خادم نے تلوار میرے ہاتھ میں تھمائی اور خود آگے آگے چلنے لگا اور میں اس کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا کہ ایک مقام پر پہنچے۔ جہاں پر ایک بہت بڑا گیٹ تھا تالا

کھولا۔ صحن میں داخل ہوئے جس کے درمیان ایک گہرا کنواں تھا جس کے آس پاس تین تین کمرے تھے۔ ان کمروں کے ایک دروازے کو کھولا جس میں بیس پیرو جواں علوی سادات بند تھے۔ جن کے پاؤں میں بیڑیاں بندھیں تھیں۔ وہ سب زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے۔ خادم نے مجھے کہا۔ خلیفہ کا حکم یہ ہے کہ ان سب کو قتل کردو۔ یہ بات کہنے کے بعد خادم ایک ایک کر کے میرے پاس لاتا اور میں قتل کرتا، پھر خادم نے ان اجساد کو اس کنویں میں پھینک دیا بعد ازاں اس نے دوسرے کمرے کو کھولا اس میں بھی بیس اولاد علیؑ و فاطمہ (صلواۃ اللہ علیہا) تھے۔ کہا کہ ان سب کو بھی قتل کرنا ہے۔ وہ ایک ایک کر کے میرے پاس لاتا اور میں انہیں قتل کرتا۔ آخر میں اس نے سب کے سروں اور اجساد کو کنویں میں پھینک دیا۔ تیسرے کمرے کے دروازے کو کھولا کہ اس میں بھی بیس علوی سادات تھے۔ جب انیس کو قتل کر چکا بیسویں کو قتل کرنے والا تھا کہ جو نہایت ضعیف اور بوڑھا شخص تھا۔ ایک دفعہ اس نے اپنا سر اٹھا کر مجھے کہا!

خدا تجھے ہلاک کرے اے ملعون، قیامت کے دن ہمارے جد امجد رسول گرامی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کیا منہ دکھائے گا۔ تو نے ساٹھ اولادِ رسول کو بغیر کسی جرم و خطاء کے قتل کر دیا ہے؟

حمید نے کہا! ایک دفعہ میرا پورا جسم لرز گیا میرے جسم میں کپکپی تھی۔ خادم میرے سر پہ کھڑا سارا منظر دیکھ رہا تھا، کہ ایک دفعہ بڑے کرخت اور تند لہجے میں مجھے کہا۔ کیوں نہیں اس بوڑھے کو قتل کرتے۔ میں نے بغیر حیل و حجت کے اس ضعیف کو بھی قتل کر دیا۔ خادم نے تمام اجساد اور سر کنویں میں ڈال دیئے۔

یہ ہے میری داستان میں نے جو اتنی جنایت کی ہے اتنا بڑا جرم کیا ہے

ساٹھ اولادِ رسول کو قتل کے بعد میری کیا نمازیں ہیں اور کیا میرے روزے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ میرا ٹھکانہ جہنم ہے۔ نماز و روزہ مجھے کیا فائدہ پہنچائیں گے۔

(عیون اخبار الرضا، آثار گناہان ص ۹۱ تا ۹۴)

اس داستان سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ گناہ کس قدر انسان میں نا اُمیدی پیدا کرتے ہیں۔ انسان پر مایوسی کا مکمل گھراؤ ہو جاتا ہے۔ راستے مسدود دکھائی دیتے ہیں۔ اللہ کی رحمت سے مایوس ہو جاتا ہے۔ اپنے لیے ہلاکت کے سوا کسی راستے کا انتخاب ہی نہیں کرتا۔ پس معلوم ہوا کہ گناہ نا اُمیدی لاتے ہیں گناہ انسان کو اللہ کی رحمت سے دور کر دیتے ہیں اور اگر ذرا دقت کریں تو یہ حالتیں اس وقت پیدا ہوتی ہیں جب انسان رحمت الٰہی سے مایوس ہونے کے گناہ میں مبتلاء ہو جائے۔ اسی لیے خداوند نے فرمایا ہے وہ خدا کی رحمت سے مایوس مت ہو کیونکہ خداوند سب گناہ معاف کر دیتا ہے۔ لیکن جیسا کہ اوپر والا واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ اس قسم کے گناہ کے نتیجہ میں مایوسی کا عفریت اتنا خطرناک انسان کے اوپر کھڑا ہوتا ہے کہ وہ رحمت کا تصور تک ہی نہیں کرتا چہ جائیکہ وہ خدا کی طرف رجوع کرے اور خداوند سے طلب بخشش توبہ کرے۔ خدا کی امان کہ ہمارے اندر کسی وجہ سے اس کی رحمت بے کراں سے مایوسی آ جائے۔

گناہوں سے عیوب فاش ہو جاتے ہیں

گناہوں کے اثرات میں سے ایک اثر یہ ہے کہ انسان کے عیب فاش ہو جاتے ہیں اس کے نہاں خانے سے مضمر راز اہل پڑتے ہیں جن کی وجہ سے وہ لوگوں کے درمیان رسوا ہو جاتا ہے۔ خداوند عالم دلوں کے راز سے واقف ہے اور وہ اپنے بندوں کے عیوب کو چھپاتا بھی ہے۔ جس کی وجہ سے اللہ کو ستار العیوب کہتے

ہیں۔ خدا قطعاً نہیں چاہتا کہ وہ بندوں کے رازوں کو افشاء کرے لیکن بندے بسا اوقات اتنے برے اعمال بجالاتے ہیں کہ جن کی کثرت اور تکرار غضب الٰہی کا موجب بنتی ہے اور اس کے بڑے بڑے راز ہر کس و ناکس تک پہنچ جاتے ہیں۔ چنانچہ روزمرہ کے مشاہدات وحالات اس پر شاہد ہیں۔

انسان بعض افراد کو دیکھتا ہے کہ ان کا لوگوں میں بڑا نام، مقام ہے لیکن یکدم ان کی رسوائی کے نقارے عالم میں بجنے لگتے ہیں۔ اس کی جنایتیں وخباثتیں لوگوں میں زبان زد عام ہوتی ہیں۔ نہ اب وہ ناز ونخرا اور نہ وہ فخر ومباہات، انہیں ہر طرف رسوائی ہی رسوائی نظر آتی ہے یہ سب کچھ اس لیے ہوتا ہے۔ کہ اس نے اللہ کی حدود سے تجاوز کیا ہوتا ہے۔ غضب الٰہی کو للکارا ہوتا ہے جس وجہ سے خدا اپنا فضل اور احسان اس سے روک لیتا ہے اور اس کے عیبوں سے پردے اٹھادیتا ہے اور وہ لوگوں کے درمیان ذلیل ہوکر رہ گیا ہے۔

حضرت امیرالمومنین علیہ السلام فرماتے ہیں:

من لم یھذب نفسہ فضحہ سوء العادۃ.

(غرزالحکم جلدص ۱۹۷ نقل از آثار گناہان ص ۱۱۶)

"جو انسان اپنے آپ کی اصلاح اور خود کو صفات رذیلہ سے محفوظ نہیں رکھتا، تو بالآخر اس کی یہ بری صفات اسے (لے ڈوبتی ہیں) رسوا کردیتی ہیں"۔

جو شخص بے ادب ہے، اپنی تربیت پر توجہ نہیں دیتا خود کو پاکیزہ نہیں بناتا اس کا یہ جرم سبب بنتا ہے کہ خداوند اس کے عیبوں کو فاش کردیتا ہے، وہ رسوا، اور ذلیل ہوجاتا ہے اگرچہ وہ گھر کے اندر ہی کیوں نہ بیٹھا ہو"۔

پس عزت ووقار، تقویٰ الٰہی میں ہے۔ گناہ اور عصیان میں ذلت ورسوائی

کے سوا کچھ نہیں انسان کوشش کرے کہ بدتہذیبی اور بے تربیتی کے گناہ سے خود کو بچا کر رکھے۔

ریا کاری رسوائی کا باعث بنتی ہے

ریا کار شخص لوگوں کے درمیان رسوا ہوتا ہے۔ خودنمائی بذاتِ خود ایک بڑا عیب ہے کہ جسے چھپائے تب بھی اس کا اظہار ہو جاتا ہے۔

ریا کاری دین میں آفتیں لاتی ہیں اور دنیا میں رسوائی کا باعث بنتی ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

"کل ریاء شرک انه من عمل للناس کان ثوابه علی الناس ومن عمل لله کان ثوابه علی اللہ".

"ریا کاری شرک ہے جو شخص لوگوں کی خوشنودی کے لیے عمل انجام دیتا ہے تو وہ ان ہی سے ثواب و اجر کا مطالبہ کرے اور جو شخص خدا کی خوشنودی کے لیے عمل کرتا ہے اس کے لیے ہے کہ وہ اس عمل کا ثواب خداوند سے طلب کرے"۔

ریا سے انسان ثواب سے محروم ہو جاتا ہے۔ ریا سے نیک اعمال بھی باطل ہو جاتے ہیں۔

ریا کار بے عزت و بے آبرو ہوتا ہے۔

ریا کاری سے انسان کی معاشرہ میں حیثیت و مقام ختم ہو جاتا ہے۔ ریا کاری انسان کے وقار کو ختم کر دیتی ہے۔ ریا کار انسان بے عزت اور رسوا ہوتا ہے۔

تکبر رسوائی کا باعث بنتا ہے

عجز و انکساری انسان کا گوہر نایاب ہے انسان بزرگی کے اظہار سے بزرگ نہیں بنتا بلکہ اچھی صفات اور نیک اعمال سے بزرگی آتی ہے۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

"من تواضع لله رفعه الله ومن تكبر خفضه الله"

(نہج الوضاحۃ ص ۵۷۸)

"جو خدا کے لیے تواضع وانکساری اختیار کرتا ہے۔ خدا اس کے نام کو بلند کر دیتا ہے (اس کی محبت کو ہر دل میں جاگزیں کر دیتا ہے) اور جو انسان تکبر وغرور کرتا ہے خدا اسے ذلیل کر دیتا ہے"۔

پس غرور وتکبر بھی رسوائی کا موجب ہے۔

دعائے کمیل میں ہے:

"ولاتفضحنی بخفی ما اطلعت علیه من سری".

"بار الہا! میرے وہ پوشیدہ اور مخفی گناہ کہ جن سے تیری ذات ہی آگاہ ہے۔ مجھے ان کی وجہ سے رسوا، نہ فرمانا"۔

پس جو گناہ معاشرہ میں انسان کو رسوا و ذلیل کر دیتا ہے وہ تکبر اور غرور ہے تکبر کرنے والا شخص خیال کرتا ہے کہ وہ بڑے مقام کا مالک ہے اس کی بڑی حیثیت ہے لیکن درحقیقت وہ لوگوں میں ذلیل ہوتا ہے اور تکبر کا گناہ اس کے مقام وشان کو لوگوں کی نظروں میں گرا دیتا ہے۔

جھوٹ ذلت ورسوائی بہت سارے گناہوں کا باعث ہے

جھوٹ بولنے والا معاشرے میں اپنے مقام کو کھو دیتا ہے۔ کوئی اس پر اعتماد نہیں کرتا۔ جھوٹا شخص ہر وقت اپنے گناہوں کی توجیہات کرتا رہتا ہے۔ ایک گناہ کو چھپانے کے لیے اسے بیسیوں گناہوں اور جھوٹوں کا سہارا لینا پڑتا ہے۔

حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام فرماتے ہیں:

"جعلت الحبائث کلها فی بیت وجعل مفتاحها الکذب".

(بحارالانوار جلد۷۲ ص۲۶۲)

"تمام خباثتوں کو اگر ایک گھر میں جمع کر دیا جائے تو اس کی چابی جھوٹ سے لگتی ہے"۔

جھوٹ بہت ہی مذموم صفت ہے، یہ جرم کئی گناہوں کا مقدمہ بنتا ہے ایک جھوٹ میں کئی جھوٹ چھپاتا ہے کہ بالآخر کسی نہ کسی کا اظہار ہو ہی جاتا ہے کہ جس سے اس کی شخصیت ختم ہو جاتی ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

(اصول کافی جلد۴ ص۳۸ ترجمہ فارسی)

"جھوٹے لوگوں کی سزا یہ ہے کہ اللہ ان پر فراموشی اور نسیان کو مسلط کر دیتا ہے"۔

جھوٹا شخص اپنے جھوٹ کو بھول جاتا ہے۔ ادھر جھوٹ بولتا ہے ادھر ایک متضاد بات کہہ دیتا ہے جس وجہ سے لوگوں کو اس کے جھوٹ کا علم ہو جاتا ہے اس نے پہلے کچھ کہا، ابھی کچھ اور کہہ رہا ہے لوگوں میں اس کی حقیقت کا اظہار ہو جاتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ معاشرے کے لوگ اس کی بات پر یقین نہیں کرتے، اس کی بات کی اہمیت ختم ہو جاتی ہے اور لوگوں کے سامنے اسے ذلت و رسوائی اٹھانی پڑتی ہے۔

حقیقت میں جو لوگ ایک معاشرے میں حیثیت و مقام رکھتے ہیں انہیں چاہیے کہ وہ اپنی گفتگو اور زبان پر کنٹرول رکھیں اسی صورت میں وہ معاشرے میں کام کر سکتے ہیں۔ جھوٹے شخص کا حافظہ کمزور ہو جاتا ہے۔

حضرت یوسفؑ کے برادران کا قصہ

آپ ذرا برادران یوسف کا واقعہ غور سے پڑھیں انہوں نے حضرت یوسف کی قمیض کو خون لگایا تا کہ حضرت یعقوبؑ کو دکھا سکیں کہ ہم حضرت یوسفؑ کو اپنے سامان کی نگہداشت کے لیے بٹھا گئے تھے۔ ان پر ایک بھیڑے نے حملہ کیا اور وہ انہیں کھا گیا ان کے خون بھری قمیض ہم شہادت کے طور پر لے آئے ہیں۔

انہوں نے قمیض کو خون تو لگا دیا تھا مگر وہ قمیض کو پھاڑنا بھول گئے تھے کہ جس سے بھیڑیے کے کھانے اور حملے کا احتمال پیدا ہوتا جب صحیح وسالم قمیض حضرت یعقوبؑ کو پیش کی گئی اور یہ کہا کہ حضرت یوسفؑ کو بھیڑیا کھا گیا ہے۔ اور یہ ان کی خون آلود قمیض ہم لے آئے ہیں تا کہ آپ کو یقین ہو جائے۔ حضرت یعقوبؑ قمیض کو دیکھتے ہیں ان کے منصوبہ کو سمجھ گئے ایک دفعہ انہیں مخاطب ہو کر فرمایا:

یہ قمیض کہیں سے پھٹی ہوئی تو نہیں ہے۔ بھیڑے کے دانت اور پنجوں کے کوئی نشانات بھی نہیں ہیں ایسا لگتا ہے بڑا ہی مہربان بھیڑیا تھا۔ جس نے میرے یوسفؑ کو تو کھا لیا مگر اس کی قمیض کو پھاڑا تک نہیں۔

یہ سن کر ان کے رنگ فک اور چہرے اتر گئے بالآخر دروغ گوئی اور منافقت رسوائی و ذلت کی صورت میں سامنے آئی۔

معصومؑ فرماتے ہیں:

"لا یکذب الکاذب الا من مهانة نفسه"

"دروغ گو جھوٹ نہیں بولتا مگر اس وجہ سے کہ اس کے اپنے اندر پستی اور کمتری کا پہلو موجود ہوتا ہے"۔

گناہوں سے نیک اعمال ضائع ہو جاتے ہیں

منجملہ گناہوں کے آثار سے ایک اثر یہ بھی ہے کہ انسان کے نیک اعمال ضائع ہو جاتے ہیں درحقیقت اس کی مثال ایسے ہی ہے جیسے زمین میں بیج بویا جائے فصل اُگناہ شروع ہوگئی۔ کونپلیں نکل آئیں اور فصل لہلہانے لگے۔ فصل تیار ہی تھی کہ یکدم ایسی آفت آئی جس نے سارے فصل کو برباد کردیا۔ فصل کی تمام تر بہار کو خزاں میں تبدیل کردیا بس ایسے ہی ہے کہ انسان بسا اوقات بڑے اچھے اچھے عمل انجام دیتا ہے کہ جو واقعاً اپنی جگہ ستائش کے قابل ہوتے ہیں مگر بعض اوقات انسان ایسے گناہوں کا ارتکاب کرلیتا ہے جس سے اس کی فصل برباد ہوجاتی ہے۔ اور گناہ نیکیوں کو مٹادیتے ہیں..... حقیقت میں معصیت پروردگار نیک اعمال کے لیے بہت بڑی آفت ہے۔ نیک اعمال کی سرزمین کے لیے بہت بڑی بیماری اور فساد کا باعث گناہ ہے۔ اگرچہ نیک اعمال کی بجا آوری بہت مشکل ہوتی ہے۔ خاصی زحمت سے گزرنا ہوتا ہے مگر نیک اعمال کی بقا.....، بجا آوری سے کہیں زیادہ مشکل کام ہے۔ عقل مندوہی ہے کہ جو اپنے اعمال کی فصل کو شیطان کی چراگاہ سے محفوظ رکھے۔ بالفاظ دیگر اعمال کی بجا آوری بہت مہم ہے مگر نیک اعمال کے سرمایہ کو حقیقی معنوں میں محفوظ رکھنا بہت ہم ہے۔

روایت میں ملتا ہے کہ ایک دفعہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اصحاب سے فرمایا: جو آدمی ایک دفعہ سبحان اللہ کہتا ہے خداوند عالم اس کے لیے جنت میں ایک درخت لگادیتا ہے۔ اصحاب میں سے ایک صحابی نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پھر تو جنت میں ہمارے باغ ہی باغ ہوں گے۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: حقیقت یہی ہے مگر اس حالت سے پناہ

مانگیں کہ کہیں اس باغ کو آگ نہ لگ پائے اور سب کچھ تیار کیا ہوا راکھ نہ ہو جائے۔

(ثواب الاعمال ص ۲۶)

گویا پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو اس بیان سے متوجہ کیا ہے کہ اپنے نیک اعمال کو محفوظ رکھنا بڑی بات ہے۔ اپنے اعمال پر توجہ دینا اور اپنی ذات کا محاسبہ کرنا بہت مہم ہے۔ البتہ یہ بات ملحوظ خاطر رہے کہ آفت زدگی اور اعمال کا باطل ہونا فقط کفار کے اعمال سے ہی مربوط نہیں بلکہ بعض اوقات مسلمانوں کے اعمال بھی ضائع ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ قرآن کریم نے اس منظر کی یوں نقشہ کشی کی ہے۔

لئن اَشْرَکْتَ لَیَحبطَنَّ عَمَلَکَ وَلَتَکُونَنَّ مِنَ الخَاسِرِیْن

(سورہ زمر آیۃ ۶۵)

ترجمہ: ”یہ امر یقینی ہے اگر تم لوگ شرک اختیار کرو گے تو تمہارے اعمال کو تباہ کر دیا جائیگا اور تمہارا شمار زیان کاروں میں سے ہوگا“

سورہ مبارکہ محمدؐ میں ارشاد فرمایا:

اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَروا وَصَدُّوا عن سَبِیْلِ اللہ وَشَاقُّو الرَّسُول مِنْ بَعْدِ ماتَبیّن لَھُمُ الْھُدیٰ لَنْ یَّضُرُّ اللہَ شَیْئاً وَسَیُحْبِطُ اَعْمَالَھُمْ یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اَطِیْعُوا اللہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَاتُبْطِلُوْا اَعْمَالَکُمْ.

(سورہ محمد آیت ۳۲، ۳۳)

ترجمہ: ”بے شک جن لوگوں نے کفر اختیار کیا اور لوگوں کو اللہ کے راستے سے منحرف کیا اور ہدایت آجانے کے بعد بھی پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جھگڑا کیا ایسے لوگ اللہ کو نقصان نہیں پہنچا سکتے ہیں اور اللہ عنقریب ان کے اعمال کو برباد

کردے گا۔ اے صاحبان ایمان اللہ کی اطاعت کرو اور رسولؐ کی اطاعت کرو اور خبردار اپنے اعمال کو باطل نہ کرو"۔

پس مذکورہ بالا آیات سے ظاہر ہوتا ہے کہ شرک کرنے والے کے اعمال ضائع ہو جاتے ہیں شرک بہت سنگین گناہ ہے کہ جس کے بعد کوئی نیک اعمال کی سلامتی کام نہیں آتی علاوہ ازیں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ تاکہ مطلب کی اہمیت اور عظمت کا اندازہ ہو جائے۔

ان الشرک لظلم عظیم

"شرک بہت بڑا ظلم ہے"۔

علاوہ ازیں مذکورہ آیات سے یہ بھی ظاہر ہے کہ راہِ حق سے انحراف کرنے والا، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جھگڑا کرنے والا اور اذیت پہنچانے والا، اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان نہ لانے والے کے نیک اعمال بھی حبط ہو جاتے ہیں، ختم ہو جاتے ہیں۔ صاف ہو جاتے ہیں۔

انسان کی چار قوتیں

حدیث شریف میں ہے انسان کے لیے اللہ تعالیٰ نے چار اہم قوتیں قرار دیں ہیں۔ان کی حفاظت سے ہی انسان کامیاب زندگی گذار سکتا ہے۔ ان چار نعمتوں کو زائل کردینے والی چار بیماریاں ہیں۔ ان بیماریوں سے خود کو بچانا انتہائی ضروری ہے۔

چار قوتیں یہ ہیں۔ ا۔ عقل ۲۔ دین ۳۔ شرم وحیاء ۴۔ عمل صالح

۱۔ غصہ عقل کو زائل کردیتا ہے پس غضب اور غصہ سے اجتناب کیا جائے۔

۲۔ حسد کرنا دین کو ختم کردیتا ہے پس حسد کے گناہ سے بچا جائے۔

۳۔ لالچ شرم وحیاء کو زائل کر دیتا ہے پس لالچ کے گناہ سے بچا جائے۔

۴۔ غیبت اور عیب گوئی عمل صالح کو مٹا دیتی ہے پس غیبت اور عیب گوئی کے گناہ سے بچا جائے (المنجیات احمد بن محمد الحجی)

نیک اعمال ضائع ہونے کے اسباب

نیک اعمال کے باطل اور ضائع ہونے کے متعدد اسباب ہیں کہ جن میں سے چند درج ذیل ہیں۔

حسد کرنا:

حسد کا مطلب یہ ہے کہ دوسروں کو جو اللہ نے نعمتیں عطا کی ہیں اس پر جلنا یا برداشت نہ کرنا حاسد شخص کو دوسروں کی نعمتیں گوارا نہیں ہوتیں۔ اگر کسی کو اللہ تعالیٰ نے مال کی نعمت سے نوازا ہے تو حسد کرنے والے کے دل میں یہی ٹھنی رہتی ہے کہ کب اس کا مال ضائع ہوگا، اگر اللہ نے کسی کو اولاد کی نعمت عطا کی ہے تو حاسد اسی فکر میں رہتا ہے کہ کب اس کی اولاد کو کوئی صدمہ پہنچے گا۔ اگر کسی کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے علم کی دولت عطا فرمائی ہے تو حاسد اسی تمنا میں رہتا ہے کہ کب اس سے یہ دولت چھن جائے اگر کوئی صحت مند ہے تو اسے یہ فکر لگی رہتی ہے کہ کب اس کے دماغ پر اثر پڑے گا۔ اور اس میں کب بیماری اور لاچاری آئے گی کہ جو کچھ اس نے حاصل کیا ہے وہ کب اس سے ضائع ہوگا۔

الغرض حاسد دوسروں کے پاس موجود نعمتوں کے زوال کی فکر میں پڑا رہتا ہے۔ حاسد کی مثال آتش فشاں پہاڑ جیسی ہے۔ اس کا دل بھی آتش فشاں پہاڑ کی مانند جلتا اور پھٹتا رہتا ہے حقیقت میں حسد ایک آتش ہے جو انسان کے نہاں خانوں

کو جلاتی ہے جب یہ آتش حد سے تجاوز کرتی ہے تو حاسد کئی قسم کی خوفناک جنایاتِ کا ارتکاب کر دیتا ہے۔ اگر بغور مظالم کا جائزہ لیا جائے تو اکثر خیانتوں اور جنایتوں کا سرچشمہ حسد قرار پاتا ہے۔ حسد بہت ساری روحانی امراض کا پیش خیمہ بھی ہے کہ خود کشی کا ارتکاب اس کا معمولی اثر ہے۔ حسد روح کے لیے بہت بڑی آفت ہے۔

حسد اور اس جیسے گناہ کی پیدائش کے اسباب

حقیقت میں انسانی محرومیاں یا وہ شخص جس نے محبت کی بہاریں نہ دیکھی ہوں جس کا بچپن مصیبتوں اور محرومیوں میں گزرا ہو، تو یہ چیزیں انسان کے اندر کئی قسم کی بیماریاں پیدا کر دیتی ہیں کبھی اس کے دل میں انتقام جوئی کی آگ بھڑکتی ہے تو کبھی اس کے دل میں کینہ توڑی کی آگ سلگتی ہے اور کبھی کینہ جیسی موذی مرض اس کے اندر کو تباہ و برباد کر دیتی ہے۔

حاسد انسان باطنی کمتری کا شکار ہوتا ہے وہ دوسروں کی نعمتوں پر جلتا اور کڑھتا رہتا ہے ایک سالم انسان کبھی حسد نہیں کرتا وہ تو ہمیشہ اپنے ارتقاء کے متعلق سوچتا رہتا ہے اور تدبیر تلاش کرتا ہے کہ وہ کون سا ایسا عمل اختیار کرے کہ جس کے ذریعے وہ آسانی سے مزید ارتقاء کی منازل کو طے کر سکے جب کہ حاسد اپنی اندرونی نقص اور احساس کمتری کی وجہ سے کبھی بھی ارتقائی پرواز کی فکر نہیں کر سکتا۔

اگر کسی شخص کے اندر ارتقاء کی منازل طے کرنے کا جذبہ ہے تو یہ خود اس بات کی دلیل ہے کہ وہ صحیح و سالم انسان ہے ورنہ ناقص اور بیمار انسان کو ارتقاء سے کیا غرض؟! سالم انسان آگے بڑھنا اور ارتقاء کے مدارج کی طرف جانے کو عیب شمار نہیں کرتا بلکہ قدم نہ بڑھانے اور اپنے لیے جمود کو عیب شمار کرتا ہے جب کہ حاسد شخص نفسیاتی بیمار ہوتا ہے سالم انسان ارتقاء کی منازل کی طرف رواں دواں رہتا ہے حاسد

انسان بعض اوقات اس مرحلے پر پہنچ جاتا ہے کہ اپنی قربانی دے کر دوسروں کے نقصان کے متعلق سوچتا ہے یعنی اپنی جان کو دے کر وہ یہ سوچتا ہے کہ یہ الزام دوسروں پر لگ جائے اور اس جرم کی سزا وہ بھگتیں، ایسا اقدام حاسد کے دیوانہ پن کی انتہا ہے۔

شہید مرتضٰی مطہریؒ نے اپنی متعدد کتابوں میں ایک تاریخی داستان کو قلم بند کیا ہے کسی خلیفہ کے دور میں ایک دولت مند شخص نے ایک غلام خریدا وہ پہلے دن ہی سے اس کا بہت خیال رکھتا تھا اسے بہترین پوشاک، بہترین کھانا دیتا تھا اس کے ساتھ اپنے بیٹے سے بڑھ کر محبت کرتا تھا اور کافی روپیہ پیسہ بھی اسے عطا کرتا تھا۔

ایک دن غلام کو بہت زیادہ رقم دینے کے بعد یہ بھی فیصلہ کر لیا کہ اسے آزاد کر دوں دوسری طرف غلام اپنے مالک کو اکثر دیکھا کرتا تھا کہ وہ بیچارہ بڑا پریشان پریشان رہتا ہے ایک رات آقا نے اپنے غلام سے بالآخر اپنا راز کھول دیا اور اپنے دل کا دکھڑا اسے بیان کر دیا۔

اے غلام! کیا تمہیں معلوم ہے کہ میں کس لیے تمہارا اتنا خیال رکھتا تھا؟ تمہیں کس لیے اتنی آسائشیں بہم پہچاتا تھا؟ بچوں سے زیادہ تجھ سے محبت کے ساتھ کیوں پیش آتا تھا اور اب میں نے تجھے آزاد کرنے کا فیصلہ کیوں کر لیا ہے؟

غلام! یہ سب کچھ کس لیے کرتے تھے؟

مالک! فقط ایک فرمائش کی خاطر میں یہ سب کچھ کرتا رہا کہ ایک دن آئے گا اور تم میری فرمائش کو پورا کر دو گے اگر تم نے میری وہ فرمائش پوری کر دی تو جو کچھ میں نے تمہیں عطا کیا ہے وہ سب تمہارے لیے حلال کر دوں گا اور اگر میری فرمائش کو ٹھکرا دیا تو پھر میں تمہیں نہیں بخشوں گا علاوہ ازیں اگر میری فرمائش پر اپنی رضایت

کا اعلان کرو گے تو تمہیں مزید بھی مال دوں گا۔

غلام نے کہا! آپ میرے آقا ہیں آپ نے مجھے خوشگوار زندگی سے نوازا آپ کا حکم سر آنکھوں پر۔

مالک نے کہا: ایسے نہیں! بلکہ تمہیں میرے ساتھ بہت پکا وعدہ کرنا ہوگا ایسا نہ ہو کہ میری بات سننے کے بعد انکار کر دو۔

غلام نے کہا! نہیں حضور آپ فرمایئے آپ کی منشاء کیا ہے؟

جب دولتمند نے پکا قول وقرار لے لیا تو اپنے دل کی بات کہہ دی کہ رات کے وقت ہمسائے کی چھت پر تم میرا سر تن سے جدا کر دینا۔

غلام نے کہا! حضور یہ کیسا مطالبہ؟

آقا نے کہا! بس میری یہی منشاء ہے۔

غلام نے کہا! یہ بات تو ممکن نہیں۔

آقا نے کہا: بہر صورت تم نے میرے ساتھ حتمی و پکا وعدہ کیا ہے اور تمہیں ایسے ہی کرنا ہوگا..... چنانچہ آدھی رات دولتمند نے تیز دھار چھری کے ساتھ اپنے غلام کو جگایا کہ وعدہ گاہ قریب ہے آہستگی سے غلام کو آلہ قتل سمیت اپنے ہمسائے کی چھت پر لے گیا اور وہ جا کر خود لیٹ گیا نقدی کی ایک تھیلی غلام کو تھمائی کہ میں نے اپنا وعدہ پورا کر دیا تم اپنا وعدہ پورا کرو تم اسی جگہ میرا سر قلم کر دو اور پھر جہاں جی چاہے بھاگ جاؤ۔

غلام نے کہا! حضور آخر آپ نے ایسا کیوں فیصلہ کیا ہے؟

اس نے جواب میں کہا: (دیکھیے حسد کی آگ کیا گل کھلاتی ہے) یہ اس لیے کہ میں اپنی زندگی میں اس ہمسائے کو نہیں دیکھ سکتا تھا کہ یہ وہ مجھ سے کیوں اتنی

زیادہ ترقی کر گیا ہے لیکن میں اپنی زندگی میں تو اسے نقصان نہ دے سکا اب میں نے فیصلہ کیا کہ کم از کم میرے مرنے سے تو وہ پریشان ہو گا میرے قتل میں گرفتار ہو گا میرے لیے ایسی زندگی جو اسے خوشحال دیکھے اس سے تو موت بہتر ہے ہم دونوں رقیب تھے وہ کیوں مجھ سے سبقت لے گیا اور میں کیوں پیچھے رہ گیا، میرے اندر نے مکمل طور پر مجھے آتش حسد میں گھیر لیا ہے میں چاہتا ہوں کہ میرے قتل کا کیس اس کے ذمے پڑ جائے چنانچہ یہ بات تو طبعی ہے کہ جب میرے قتل میرے رقیب کی چھت پر ہو گا تو پوچھا جائے گا کہ قتل کس نے کیا ہے؟ ظاہر ہے میرا رقیب پکڑا جائے گا اور اسے پھانسی ہو جائے گی اور اس کے نتیجے میں میرا ارماں بھی پورا ہو جائے گا۔

غلام نے یہ سوچ کر کہ جب یہ اتنا احمق ہے تو مجھے اس کام کرنے میں کیا ہچکچاہٹ ہے؟ اس نے اشرفیوں کی تھیلی لی اور چلتا بنا۔

صبح ہوتے ہی اس دولتمند کے قتل کی خبر جنگل کی آگ کی طرح ہر جگہ پھیل گئی دولتمند کے رقیب کو پکڑا گیا تحقیقات شروع ہو گئیں بالآخر معاملہ بانجا رسید!! اگر یہ رقیب اس کا قاتل ہوتا تو اسے اپنی چھت پر قتل کرنے کی کیا ضرورت تھی مگر دوسری طرف غلام کا ضمیر اسے ملامت کرتا رہا کہ تم نے کیا کیا ایک بے گناہ اور بے قصور کو قید خانے میں ڈال دیا غلام نے فیصلہ کر لیا کہ حقیقت حال کو حاکم وقت کے سامنے بیان کر دوں۔

غلام دربار میں حاضر ہوا اور حقیقت حال کو حاکم وقت کے سامنے کھول دیا کہ اس دولتمند کا میں قاتل ہوں اس کے مسلسل اصرار پر میں نے قتل کیا ہے وہ حسد کی آگ میں ایسے جل رہا تھا کہ ایسی موت اس کی زندگی پر مقدم تھی۔

جب حقیقت امر کا پتہ چلا تو غلام کو بھی آزاد کر دیا گیا اور دولتمند کے رقیب

کو بھی چھوڑ دیا گیا۔

(انسان کامل ص ۲۳ تا ۲۷)

جی ہاں! یہ حقیقت ہے کہ حسد ایک آتش ہے ایک نہایت خطرناک روحانی مرض ہے جس کا مداوا فی الفور ضروری ہوتا ہے۔

قرآن کریم میں حاسد کے شر سے محفوظ رہنے کی پناہ مانگی گئی ہے۔

چنانچہ ارشاد پروردگار ہے۔

مِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ.

''اے خدا حاسد کے شر سے بچا جب وہ حسد کرے''۔

(سورہ فلق آیت نمبر ۵)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ جب آپؑ سے ''اذا حسد'' کے متعلق پوچھا گیا تو آپؑ نے فرمایا: کیا آپ نے دیکھا کہ حسود جب حسد کرتا ہے تو کیسے دیکھتا ہے۔

نیز حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا فرمان ہے۔

''ان المومن من یغبط ولا یحسدو المنافق یحسد ولا یغبط''.

''مومن رشک کرتا ہے حسد نہیں کرتا جب کہ منافق حسد کرتا اور رشک نہیں کرتا''۔

ظاہر ہے رشک سے انسان ترقی کی منازل کی طرف بڑھنے کی کوشش کرتا ہے اور حسد سے اس پر ترقی کا باب مسدود ہو جاتا ہے جلنے اور کڑھنے کا رد عمل زیادہ ہوتا ہے کہ جس کی وجہ سے وہ صحیح نہج پر سوچتا بھی نہیں۔

حضرت امام علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

"الحسد یمیت الایمان کما یمیت الماء الثلج".

"حسد ایمان کو اس طرح ختم کر دیتا ہے جیسے برف کو پانی پگھلا دیتا ہے"

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے:

"ان الحسد یاکل الحسنات کما تاکل النار الحطب".

"حسد ایمان کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ خشک لکڑی کو کھا جاتی ہے"۔

پس حسد سے بچنا ضروری ہے اللہ تعالیٰ پر توکل اور اس کے مقدرات پر راضی برضا رہنا، اللہ تعالیٰ کی تقسیم پر راضی رہنا، جو کچھ اللہ تعالیٰ نے دیا ہے اس پہ قانع رہنا حسد کا بہترین توڑ ہے عالم آخرت کو یاد کرے، زندگی کی چند ایک بہاروں پر تمام تر نظریں موقوف نہ کرے، مرنے کے بعد کی زندگی پر بھی نظر ہو۔ اپنی زندگی کو الہیٰ بنائے تا کہ حسد جیسی بری خصلت، سرشت اور شیطانی عادات سے چھٹکارا حاصل کر سکے۔

حسد سے متعلق فقہاء کے فتاویٰ

شہید دستغیب شیرازیؒ نے اپنی کتاب "قلب سلیم" میں حسد سے متعلق بعض فقہاء کے فتاویٰ مرقوم کیے ہیں کہ جن میں بعض کو ہم نقل کر رہے ہیں۔

شیخ مفیدؒ حسد کے متعلق فرماتے ہیں: فاسق، بغض رکھنے والا اور حسد کرنے والے کی گواہی قابل قبول نہیں۔

ابن ادریسؒ اپنی کتاب سرائر میں لکھتے ہیں کہ حسد حرام ہے اور اپنے آپ کو حسد سے بچانا واجب ہے۔

علامہ حلیؒ لکھتے ہیں۔

(قواعد کتاب الشہادات)

''حسد حرام ہے اسی طرح مومن کے ساتھ بغض رکھنا بھی حرام ہے اور ان دونوں کے اظہار سے عدالت جاتی رہتی ہے''

شہید اول نے اپنی کتاب دروس میں حسد کو گناہ کبیر میں شمار کیا ہے، فرمایا ہے کہ مومن کے ساتھ حسد کرنا اور بغض رکھنا گناہ کبیرہ ہے۔

شہید ثانی اپنی کتاب مسالک میں فرماتے ہیں۔

فقہاء اسلام کے نزدیک مومن کے ساتھ بغض رکھنا اور حسد کرنا حرام ہے چنانچہ اس مسئلے میں کوئی اختلاف نہیں ہے حتیٰ کہ بہت سی روایات میں وعدہ عذاب دیا گیا ہے بغض اور حسد گناہ کبیرہ سے ہے اور ان سے انسان کی عدالت ساقط ہو جاتی ہے اس میں کوئی فرق نہیں کہ خواہ حسد و بغض قلبی لحاظ سے ہو یا اعضاء و جوارح کے ذریعہ اس کا اظہار بھی ہو۔

''حسد کرنا گناہ ہے اور اسی طرح مومن کے ساتھ بغض رکھنا بھی گناہ ہے اور ان دونوں کے اظہار سے عدالت جاتی رہتی ہے''۔

(قلب سلیم ص ۲۸۰ تا ۲۸۱)

نصیحت: پس قرآنی تعلیمات اور معصومین علیہم السلام کے فرمودات پر عمل کر کے انسان نظریاتی، عقیدتی اور مکتبی بنتا ہے اور ایسا انسان حسد، بخل اور کینہ و انتقام جوئی جیسی مذموم صفات سے پاک ہوتا ہے۔ قرآن مجید ایک مکمل و کامل انسان کا دستور العمل ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ ہم اپنا محاسبہ کریں اور دیکھیں کہ ہم قرآنی انسان ہیں اور ہمارے اندر انسانیت کے اوصاف پائے جاتے ہیں اگر نہیں تو پھر اس کا علاج کریں اپنی عادات اور رویوں میں تبدیلیاں لے آئیں۔ اور دوسروں سے محبت

کریں۔ ان کے اچھے کاموں پر ان کی تعریف کریں کسی کے اچھے کام کو چھپانے کی بجائے اسے ظاہر کرنے کی کوشش کریں۔ ایسا کرنے سے حسد کی حالت کا آہستہ آہستہ خاتمہ ہو جائیگا۔

ریاکاری اور دکھلاوا

ریاکاری اور دکھلاوا بھی قلبی، معنوی اور روحانی امراض سے ایک ہے جس سے نیک اعمال ضائع ہو جاتے ہیں۔

ریاکاری کا مطلب..... اعمال کو دکھلاوے کے طور پر انجام دینا، نیک اعمال سے خودنمائی مقصود ہو دوسروں کے سامنے اپنا مقام بنانا پیش نظر ہو۔

اسلام نے ریاکاری کی سخت مذمت کی ہے اور اس کے لیے سخت سزا سنائی ہے اسلامی تعلیمات اور معصومین علیہم السلام کی پاک سیرت اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ ہم مخلص بن کر اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر کام کریں خواہ اس پر دنیا خوش ہو یا ناراض، مدح کرے یا مذمت، ہمارا مقصد خوشنودی خدا کا حصول ہونا چاہیے۔

اخلاص کی اہمیت

یہ بات مسلم ہے کہ اعمال کی قبولیت کا دارومدار اخلاص پر مبنی ہے اخلاص کے بغیر کوئی عبادت قابل قبول نہیں۔

وہ عمل اور عبارت خواہ جس اعتبار سے بھی ہو جب تک اس میں خلوص شامل حال نہ ہو تو اسے عبادت خدا نہیں کہا جا سکتا خواہ وہ قیامِ لیل کی صورت میں ہو یا صیام النہار کے لحاظ سے ہو یا مال کی قربانی کے اعتبار سے ہو یا وقت صرف کرنا ہو..... یہ سب کچھ قابل قبول نہیں جب تک ان سب میں خلوص نہ ہو، عبادت کا لازمی

جزو ہے کہ وہ فقط خدا کے لیے ہو، خدا کے احکام کی بجا آوری کی نسبت سے ہو اور بس ایسی عبادت ہی خالص عبادت کہلاتی ہے۔

ریا کاری اور خالص عمل کی مثال

فرض کیجئے ایک آدمی اپنا سب کچھ فقیروں اور مسکینوں پر قربان کرتا ہے تا کہ دنیا میں شہرت پائے اور اپنا نام کمائے اس نے یہ حیات کا عمل دوسروں کو دکھانے اور ریا کی خاطر کیا ہو تو اس کے اس عمل کی ذرا برابر قیمت نہیں جب کہ اس کے برعکس ایک انسان مختصر سی رقم غرباء اور مساکین میں رضائے پروردگار کی خاطر تقسیم کرے اس میں دنیاوی غرض شامل نہ ہو تو وہ عبادت ان کروزوں سے بہتر ہے کہ جو انفاق لوگوں میں شہرت کے لے انجام پایا ہے، اسی طرح اگر کوئی لکھاری دن رات قلم فرسائی کرتا رہے اور اس کی نیت یہ ہو کہ دنیا میں اس کا نام چمکے، لوگ اس کی تعظیم و تکریم کریں تو حقیقت میں اس نے خواہ مخواہ اپنے آپ کو زحمت سے دوچار کیا ہے۔

خدا کی نگاہ میں ایسے عمل کا کوئی ثواب و فائدہ نہیں بلکہ ایسا ہے کہ اس نے کچھ کیا ہی نہیں چنانچہ اگر کوئی مقرر اور واعظ جتنی بھی تقریریں اور وعظ نصیحت کرتا رہے مگر اس کا مقصد یہ ہو کہ لوگ واہ واہ کریں، دنیا میں اس کا نام ہوگا، اسے آسودگی حاصل ہو، تو اس نے بے جا وقت اور اپنی توانائی ضائع کی ہے اسے کچھ فائدہ نہ ملے گا بلکہ اس شخص نے اللہ کے ہاں مقدس اور محبوب اعمال..... کو شہرت، ریا اور دکھاوے کے لیے انجام دے کر خود کو دھوکہ دیا ہے اور خدائی ناراضگی مول لی ہے جب کہ اپنے نام کمانے کے لیے اعمال کو چھوڑ کر کوئی اور راستہ بھی انسان اختیار کر سکتا تھا۔اس نے الٰہی مقدسات کو کیوں استعمال کیا لہٰذا اگر مقصد شیطانی اور نفسانی خواہشات کی تکمیل ہو تو وہ عمل ابتر اور بے فائدہ ہے۔ اعمال کا دارومدار نیت و غرض

پر ہے جس کے تحت وہ عمل انجام دیا جا رہا ہوتا ہے۔ اگر نیت خالص ہوگی۔ للھیت ہوگی، غیر خدا کی خوشنودی مقصود نہ ہوگی۔ خدا کی رضا مقصود و مطلوب ہوگی تو وہ خالص ہوگا اور وہی دربار احدیت میں قبول ہے۔

پس معیار بندگی بندہ نہیں بلکہ عبادت کا معیاد خدا ہے چنانچہ جس نے بندگی کے معیار کو بندے کے لیے قرار دیا تو پھر اسے اسی سے اجر وثواب کی توقع رکھنی چاہیے اور جس نے اپنے پروردگار کی خوشنودی کی خاطر عبادت کی تو اس کا حق بنتا ہے کہ اپنے ربّ سے اجر وثواب کی اُمید رکھے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے:

"کل ریاء شرک انه من عمل للناس کان ثوابه علی الناس و من عمل لله کان ثوابه علی الله".

"ہر ریاکاری شرک ہے جس شخص نے لوگوں کی خاطر عمل انجام دیا تو اسے چاہیے کہ لوگوں ہی سے ثواب تلاش کرے اور جو شخص اللہ کے لیے عمل کرتا ہے تو ایسے شخص کا ثواب اللہ کے ذمے ہے"۔

دراصل ریا شرک خفی ہے بلکہ حقیقی کفر ہے.....، ریا اور خودنمائی اسلام کی نظر میں بہت مذموم فعل ہے ریاء بہت سارے مفاسد کی بنیاد بنتی ہے جن میں سے جاہ طلبی جب دنیا اور جب ریاست جیسے حالات سرفہرست ہیں۔

ریاکاری بارے ایک حکایت

ایک دفعہ ہارون نے مسجد بنوائی کہ جس کے باہر اپنا نام کندا کرایا تا کہ سب کو پتہ چلے کہ مسجد ہارون نے تعمیر کرائی ہے اتفاق سے بہلول نے جب اس کے نام کو دیکھا تو ہارون سے کہا اپنا نام مٹا کر میرا نام لکھوا دو یہ جملہ سنتے ہی ہارون

غضبناک ہو گیا۔

ہارون! یہ مسجد میں نے بنوائی ہے تیرا نام کیوں لکھوا دوں؟

بہلول! جب یہ بات ہے تو خانہ خدا کیوں کہتے ہو؟

ہارون نے کہا! تو پھر کیا کہوں؟

بہلول نے کہا! اپنا گھر کہو۔

بہلول دانا نے اس مختصر مگر جامع بیان سے ہارون کو بھی اور ہر ذی شعور کو سمجھا دیا کہ اللہ کے لیے جو عمل ہوتا ہے اسے اپنی ذات سے نسبت نہیں دی جاتی۔

الغرض ہر عمل کی نشوونما کے لئے اس میں استعداد اور نشوونما پانے کی قابلیت شرط ہے اگر پتھر پر گندم کو بویا جائے تو گندم کے اُگنے کا امکان نہیں۔

چونکہ پتھر پر گندم کے اگنے کی صلاحیت اور استعداد نہیں ہے پتھر کے دل میں گندم سے متعلق نرمی نہیں ہے اس پر اگر بیج ڈالیں گے تو وہ ضائع ہو جائے گا اسی طرح عمل کے لیے ریا ہے کہ عمل گندم کے بیج کی حیثیت رکھتا ہے جب عمل ریا کے سپرد ہو گا تو وہ عمل نشوونما نہ پائے گا بلکہ ریا اس عمل کو ضائع کر دے گا جس طرح پتھر پر ڈالا گیا بیج ضائع ہو جاتا ہے پتھر گندم کے بیج کو قبول ہی نہیں کرتا جس وجہ سے وہ بیج ضائع ہو جاتا ہے اسی طرح ریا کے نام پر جو عمل ہو گا وہ بھی پروان نہ چڑھے گا بلکہ ضائع ہو جائے گا۔

عمل کی حفاظت کرنا

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

''عمل خیر کی بجا آوری سے عمل خیر کی نگہداری اور تحفظ مشکل کام ہے''۔

ایک صحابی نے عرض کی۔

یابن رسول اللہؐ! اے فرزند رسولؐ.....! عمل خیر کی نگہداشت سے کیا مراد ہے؟ اور یہ کیسے ممکن ہے؟ امام علیہ السلام نے فرمایا: ''انسان کے اعمال ایک مخصوص رجسٹر میں مرقوم ہوتے ہیں جب کوئی شخص انفاق اور صلہ رحم کرتا ہے تو اس کی یہ خوبیاں اس رجسٹر میں لکھ دی جاتی ہیں اور اگر اس نے نیک عمل کرنے کے بعد اس عمل کو اپنی ستائش کے لیے استعمال کرنا شروع کر دیا تو وہ عمل اس رجسٹر سے مٹا دیا جائے گا اس کی جگہ ریاء کا عمل لکھ دیا جاتا ہے'' یہ ہے کہ ایک عمل جو بغیر ریا کے تھا بعد میں وہی ریا کا عمل بن جاتا ہے۔

نیز امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں۔

پس آپ نے دیکھا کہ نیک عمل دکھلاوا اور ریا کاری سے مٹا دیا جاتا ہے اور اس عمل کا ثواب و فائدہ ختم ہو جاتا ہے۔

ریا کار کی علامات

دکھلاوا کرنے والے کی مختلف نشانیاں اور علامات ہیں کہ جن میں سے چند درج ذیل ہیں۔

ا۔ ظاہر اور باطن میں فرق:

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے۔

''سیانیٰ علی الناس زمان تخبث فیه سرائرهم و تحسن فیه علانیتهم طمعافی الدنیا لا یریدون به ما عند ربهم یکون دینمهم ریاء ولا یخالطهم خوف الله قیعمهم الله یعقاب فید عونه دعاء الغریق فلا

یستجیب لھم".

(اُصول کافی "درمیانی دین اسلام ص۱۷۲")

"ایک زمانہ آئے گا جس میں لوگوں کی حالت یہ ہوگی کہ ان کا ظاہر بڑا اچھا اور باطن بہت آلودہ ہوگا چنانچہ اس ظاہر و باطن میں فرق کی وجہ سے وہ دنیوی لالچ کا شکار ہوں گے اس زمانے میں لوگ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے کام نہیں کریں گے ان کی دینداری ریاکاری اور خودنمائی پر مبنی ہوگی اعمال کے سلسلے میں خدا کا کوئی خوف نہیں ہوگا پھر خداوند عالم کا ان پر عذاب ٹوٹ پڑے گا اور یہ عذاب ان پر اسطرح وارد ہوگا۔ وہ حالت ایسی میں ہو جائیں گے کہ وہ دعائے غریق بھی پڑھیں گے تب بھی خدا ان کی دعاؤں کو قبول نہیں کرے گا" (دعائے غریق ایک مخصوص دعاء ہے کہ جب کوئی حاجت مند اس دعاء کو پڑھے تو اس کی حاجت ضرور پوری ہوتی ہے)

۲۔ ریاکاری کی تین علامتیں:

ریاکار کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ بھی ہے کہ وہ دوسروں کی طرف سے تعریف کی انتظار میں رہتا ہے کہ لوگ کب اس کے عمل کی تعریف کرتے ہیں اور جب کوئی تعریف کردے تو وہ اس پر خوش ہوتا ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

"ثلاث علامات للمرائی ینشط اذا رای الناس و یکسل اذا کان وحدہ و یحب ان یحمد فی جمیع امورہ".

ریاکار کی تین علامتیں ہیں۔

۱۔ جب لوگ دیکھ رہے ہوں تو وہ چستی سے کام کرتا ہے۔ ۲۔ جب تنہا

ہوتو کام میں سستی دکھاتا ہے۔۳۔ اپنے ہر کام میں اپنی تعریف چاہتا ہے۔

اسی مضمون کی روایت حضرت امیرالمومنین امام علی ابن ابی طالب علیہ السلام سے بھی مروی ہے فرماتے ہیں۔

"للمرائی ثلاث علامات یکسل اذا کان وحده و ینشط اذا کان فی الناس و یزید فی العمل اذا اثنی علیه و ینقص اذا ذم".

(پرتوی از اسرار نماز ص ۱۴۰، مجمۃ البیضاء ج ۶ ص ۱۴۴)

دکھلاوا کرنے والے کی تین علامتیں ہیں۔

۱۔ جب تنہا ہوتا ہے تو بہت سستی سے کام کرتا ہے۔۲۔ جب لوگوں میں ہوتا ہے تو بہت چستی سے کام کرتا ہے۔۳۔ جب اس کی تعریف کی جائے تو وہ زیادہ عمل کرتا ہے اور جب اس کی مذمت کی جائے تو وہ کام کرنے میں کمزوری دکھاتا ہے۔

ریاکاری اخلاص کے منافی

درحقیقت ریاکاری اخلاص کے منافی ہے جو شخص مخلص ہوتا ہے اسے کیا لگے کہ لوگ اس کی تعریف کریں یا نہ کریں وہ ہر حال میں پروردگار کی خوشنودی کو معیار قرار دیتا ہے علاوہ ازیں مخلص افراد نہ فقط اپنی تعریف نہیں کرتے بلکہ اگر کوئی ان کی تعریف اور ستائش کرے تو وہ ڈرتے ہیں کہ کہیں ان کا عمل اس تعریف کی وجہ سے ضائع نہ ہو جائے۔

حضرت امام علی ابن ابی طالب (علیہا السلام) متقین کی صفات میں فرماتے ہیں۔

اذا زکی احدهم خاف مما یقال له

(نہج البلاغہ خطبہ ۱۹۳)

"ان میں سے (متقین) اگر کسی ایک کی تعریف وستائش کی جائے تو جو

کچھ ان کے بارے میں کہا جاتا ہے تو وہ دوسروں کے تعریفی بیان سے ڈرتے ہیں"۔

ریاکاری کے نقصانات

بنا برایں ریاکاری بہت ہی مذموم فعل ہے یہ حالت خلوص وتقویٰ کے منافی ہے۔ اعمال کی بربادی اور تباہی کا ذریعہ ہے۔ ریاکار کا ایمان پختہ نہیں ہوتا لہٰذا اسے ذاتِ پروردگار کی نعمات اور عطایا کی طرف نگاہ کرنی چاہیے مخلوقات کی خلقت کے متعلق سوچے اور صفاتِ خدا کی طرف توجہ کرے تاکہ پروردگار کی معرفت میں اضافہ ہو ریاکاری اخلاص کے منافی ہے یہ دونوں ایک جگہ جمع نہیں ہوتیں دکھلاوا کرنے والا شخص خدا پر توکل بھی نہیں کرسکتا کیونکہ جو شخص اپنی ذات کے بت خانے میں گرفتار ہو وہ کسی اور کے بارے سوچتا تک نہیں جب خود کو محور بنائے تو پھر اپنی خودی میں گرفتار رہ کر اپنے خدا کو بھی بھول جاتا ہے۔ وہ تو بس اس فکر میں ہوتا ہے کہ بس وہی قابل تعریف ہے لوگ اس کی ستائش کریں اور اسے اچھا سمجھیں لہٰذا ضروری ہے کہ دنیا کی بے وقعتی اور بے ثباتی کو دیکھے اور سمجھے کہ وہ چند دنوں کے لیے ہے پس وہ اس دنیا میں رہ کر اور محدود مدت کے لیے کام نہ کرے اور نہ ہی اسکی خاطر کام کرے جسے فناء ہے کیونکہ اس طرح اسکا عمل بھی فانی ہو جائے گا۔ بلکہ وہ اس ذات کے لیے کام کرے کہ جس کے لیے فناء نہیں، جس کے لیے بقاء ہی بقاء ہے ظاہر ہے ایسے شخص کا عمل باقی رہتا ہے جو باقی رہنے والی ذات کے لیے عمل کرتا ہے۔ انسان کی توجہ کام کے انجام پر ہو عقل مندی یہ ہے کہ اپنے عمل کا تعلق ایسی ذات سے بنادو جسے دوام ہے تاکہ آپ کے عمل کو دوام مل جائے۔

قیامت کا دن اور ریا کار

چنانچہ قیامت کا دن ہوگا ریا کاروں کا بڑا عجیب عالم ہوگا حدیث میں ملتا ہے کہ قیامت کے دن ریا کاروں کو چار ناموں سے پکارا جائے گا۔

۱۔کافر ۲۔فاجر ۳۔غاور ۴۔خاسر

پھر اسے کہا جائے گا اے ریا کارو!! کہ تمہارے اعمال برباد ہو گئے ہیں اس لیے کہ تم یہ سب اعمال خدا کے غیر واسطے انجام دے رہے تھے آج تم اپنے اعمال کی پاداش اور اجر وثواب ان سے طلب کرو جن کے لیے تم عمل کیا کرتے تھے۔

(سفینۃ البحار ج ا ص ۴۹۹ نقل از ہرتوی از اسرار نماز ۱۴۰)

ریا کار کے مکمل ایمان نہ ہونے کی وجہ سے اسے کفر کی منزل پہ کھڑا کیا جائے گا "العظمۃ للہ" بزرگی بس خدا ہی کے لیے ہے، جب دوسروں کو دکھانے کے لیے کام کیا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اسے اللہ تعالیٰ کی بزرگی کا یقین حاصل نہیں تھا ورنہ اپنے اعمال میں دوسروں کو شریک نہ کرتا عبادت الٰہی میں دوسروں کو شریک کرنا ایسا کرنا درحقیقت وحدانیت خدا کا انکار ہے۔

علاوہ ازیں دوسروں کو دکھا کر اعمال اور عبادت بجا لانے کا نقصان یہ ہوتا ہے کہ وہ عبادات سب ھدر اور تباہ ہو جاتی ہیں کہ جس کی وجہ سے روایت میں اسے "غاور" کہا گیا ہے۔

اور اس نے ساتھ ساتھ گناہ بھی کیا ہے چونکہ عبادت وعمل اللہ کے لیے تھا اس نے لوگوں کے لیے کیوں انجام دیا ہے؟ جس کی وجہ سے حدیث میں اسے فاجر کہا گیا ہے۔

ان سب باتوں کے ساتھ ساتھ ریا کار نے عبادت وعمل بھی انجام دیا البتہ

دوسروں کے لیے جس کے نتیجے میں وہ ثواب سے محروم رہا تو روایت میں اسے خاسر کہا گیا ہے ہر عبادت و عمل کے لیے وقت بھی دیا، اپنی توانائی بھی لگائی مگر نتیجے میں اسے کچھ بھی حاصل نہیں ہوا تو اس سے بڑھ کر خسارہ اور کیا ہوسکتا ہے؟ کہ نہ عبادت اور عمل کرنے کی جزا ملی اور نہ ہی جس کے لیے عبادت انجام پائی تھی اس سے کچھ ملا ریاکار کو دونوں طرف سے کچھ نہیں ملتا، ریاکار کا خسارہ دو طرفہ ہے دنیا والے بھی اسے کچھ نہیں دیتے وہ فقط اپنی خوش فہمی میں مبتلا رہتا ہے اور آخرت میں بھی اسے کچھ نہیں ملتا وہ فقط انتظار میں رہتا ہے۔

کامیابی کا راز

پس کفر و خسران اور فسق و فجور سے بچنے کا راز خلوص و محبت اور عشق پروردگار میں ہے لہٰذا اپنی عبادات میں غیر خدا کو کیوں شریک کرتے ہو جیسے ہیں۔ وہ آپ کو کیا دے سکتے ہیں؟ یہ نہ دیکھیں کہ دنیا کیا کہتی ہے بلکہ یہ دیکھے کہ خدا کیا چاہتا ہے اگر ذمہ داری مدنظر ہو تو پھر ستائش اور تنقید، تعریف اور مذمت میں یکسائی آ جاتی ہے لوگ اس کی تعریف کریں یا اس کی ملامت کریں وہ پشیماں نہیں ہوتا کیونکہ وہ شخص جو خدا کے لیے کام انجام دے رہا ہوتا ہے تنظیموں اور انجمنوں کے تعصبات سے بالاتر ہو کر کام کر رہا ہوتا ہے گروہ پرستی کے بت سے آزاد ہونا ہے وہی کامیاب ہے ریاکاری کا اخلاص اور ایمان کے ساتھ کوئی جوڑ نہیں۔

میں یہ نہیں کہتا کہ تنظیمیں اور انجمنیں نہیں ہونی چاہئیں بلکہ کام کی پیش رفت کے لیے اس نظام کا ہونا ضروری ہے تنظیم کے بغیر نظم کار مشکل ہوتا ہے فقط بات یہ ہے کہ اپنے آپ کو تنظیمی تعصبات میں گرفتار نہ کریں یہ بالکل سوچنا ٹھیک نہیں کہ اس کا ہماری تنظیم اور انجمن سے کوئی تعلق نہیں پس اس کا اچھا عمل بھی آپ کو برا لگے۔ تعلق،

رشتہ اللہ کے ساتھ جوڑو بندوں اور تنظیموں پر خود کو موقوف نہ کرو در حقیقت عزت اور سرفرازی اللہ کی اطاعت اور محبت حق کے آستانے پر نصیب ہوتی ہے۔

پس دعا کرنی چاہیے کہ خداوند عالم ہمارا شمار مخلصین، عبادت گزار بندوں میں کرے ہمیں ریا کاری اور دکھلاوے جیسی روحانی مرض سے محفوظ فرمائے۔

چنانچہ ارشاد پروردگار ہے۔

"قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا الَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِى الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا".

اے رسول ان سے کہ دو کہ

(سورہ الکہف آیت ۱۰۳،۱۰۴)

"کیا ہم ان لوگوں کے متعلق تمہیں بتائیں کہ جو لوگ اعمال کی وجہ سے بڑے خسارے میں ہیں یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کی تمام تر کوششیں دنیا میں لگ گئی ہیں اور یہ خیال کرتے رہے کہ ہم نے بڑے اچھے اعمال انجام دیئے جب کہ ان کے سارے اعمال اکارت گئے اور ان کی ساری محنتیں مشقتیں رائیگاں"

ریا کار لوگوں کی پرستش کرتا ہے

حدیث میں ہے قیامت کے دن منادی دی جائے گی کہ وہ کہاں ہیں کہ جو لوگوں کی پرستش کیا کرتے تھے وہ اب ان ہی کو اُٹھائیں اور ان سے اپنے کیے کی جزا لے لیں (خدا کی طرف سے اعلان ہوگا) میں ہر اس کام کو جو دنیا اور اہل دنیا کے لیے انجام دیا گیا اس کی پاداش نہیں دوں گا۔

(تفسیر البیان ج ۳ ص ۱۴۴، تفسیر گاردج ۱ ص ۳۵۶)

کریم النفس کے لیے

سخاوت اور کرامت نفس انسان کا باطنی جمال ہے کہ جس کا مظہر جو دوسخا ہے، فقیر اور محتاج جس کا اظہار کو عطا کرنے میں ہے، عطا اور بخشش کے پے در پے اظہار سے جمال باطنی نمایاں ہوتا ہے اور کرامت نفسانی کے درجات بلند ہوتے ہیں جوں جوں اس کے اندر احسان اور بھلائی کرنے کی قوت بڑھتی جاتی ہے اسی طرح اس میں کریمی جیسے اوصاف پیدا ہونا شروع ہو جاتے ہیں چونکہ کریم نہ فقط احسان کرتا ہے بلکہ احسان کا تکرار اور بسا اوقات احسان کرنے پر اصرار بھی کرتا ہے کریم اپنی ذات میں احسان و بھلائی کرنے کا ملکہ پیدا ہوجاتا ہے وہ احسان جتلانا در کنار بلکہ احسان کرنے کے بعد طرف مقابل کو اپنا محسن شمار کرتا ہے چونکہ اگر طرف مقابل ہی نہ ہوتا تو احسان کی صفت کا اظہار کیسے ہوسکتا۔

کریم شخص احسان پر شکر خدا اور احسان کی صفت کے اظہار پر بھی خدا کی حمد وثنا کرتا ہے ایسی موقعیت کا وجود خدا کی توفیق کے بغیر ناممکن ہے سخی کے لیے فقیر اور تنگدست اللہ کی توفیقات کے مواقع فراہم کرتے ہیں، لہٰذا ان مواقع کو خلوص اور صدق دل سے استعمال میں لانے کی وہ کوشش کرتا ہے۔ انہیں اپنے لیے شکر گزاری کا ذریعہ قرار دیتا ہے۔

نتیجہ: پس صدقہ و خیرات کو خدا کی طرف سے توفیق سمجھے اور اس کار خیر کو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے انجام دے احسان جتانے کے لیے کسی کو کچھ نہ دیا جائے انفاق اور راہ خدا میں عطاء کرنے کا حقیقی نمونہ تلاش معلوم کرنا ہو تو پھر قرآنی بیان سورہ ھل اتی میں پڑھیں کہ ارشاد ہو رہا ہے:

"اِنَّمَا نُطۡعِمُكُمۡ لِوَجۡهِ اللّٰهِ لَا نُرِيۡدُ مِنۡكُمۡ جَزَآءً وَّلَا شُكُوۡرًا".

(سورہ انسان آیت نمبر۹)

ترجمہ: "ہم صرف اللہ کی خوشنودی کے لیے تمہیں کھلاتے ہیں ورنہ نہ تم سے کوئی بدلہ چاہتے ہیں اور نہ شکریہ"۔

اللہ تعالیٰ نے اہل بیت (علیہم السلام) کے کردار کی تصویر کشی کی ہے کہ ان کی نگاہ میں جزاء، بدلہ کار خیر کا نہیں ہے اور نہ ہی شکر گزاری اور سپاس گزاری کسی سے چاہتے ہیں کہ وہ کل ہمارا شکریہ ادا کریں گے یا ہمیں کل اس کا بدلہ دیا جائے گا بلکہ اہل بیت (علیہم السلام) کی نگاہیں رضائے پروردگار پر لگی ہوتی ہیں اور یہی چیز ان کے کمال پر بہترین دلیل ہے اور تمام مسلمانوں کے لیے مشعل راہ بھی ہے کار خیر انجام دیتے وقت سائل کی طرف نگاہ تک نہ ہو بلکہ اپنا مقصد خدا کو قرار دے یہ حسن کردار کی آیات (سورہ انسان) اس بات کی غمازی کرتی ہیں کہ ہر شخص ان ہستیوں کو دیکھے کہ جن کی صداقت اور پاکیزگی کی گواہی خود اللہ پاک دے رہا ہے تو ان کا عمل و کردار سب کے لیے مشعل راہ قرار پائے گا۔

دعاء: خدایا تو ہمیں اہل بیت علیہم السلام کی سیرت نصیب فرما اور ان فرامین سے استفادہ کی توفیق دے اور ریاکاری جیسے موذی مرض سے ہمیں بچالے۔

احسان جتلانے کے نقصانات

۱۔ اس کا نیک عمل ضائع ہو جاتا ہے۔۲۔جس پر احسان کیا ہے وہ شخص اس سے نفرت کرتا ہے۔۳۔جو سب سے بڑا نقصان ہے وہ یہ کہ جنت اس کے اوپر حرام ہو جاتی ہے۔

جناب رسالت مآب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا ارشاد ہے:

۱۔ احسان جتلانے والا

۲۔ بخل برتنے والا

۲۔ چغلی کھانے والا

جنت الفردوس سے محروم ہوگا۔

نیز پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے:

''خداوند عالم قیامت کے دن تین اشخاص سے روگردانی کرے گا''

۱۔ احسان جتلانے والے سے

۲۔ تکبر کرنے والے سے

۳۔ اپنی کسی چیز کو بیچنے کے لیے قسم کھانے والے سے

(قلب سلیم ص ۴۵۳)

اہم نکتہ: اس کے علاوہ ایک نکتہ کہ جس کی طرف توجہ ضروری ہے کہ احسان جتلانا بذات خود ناحق اور نادرست بھی ہے کیونکہ تمام نعمتوں کی عطا کا مرکز اللہ تعالیٰ کی ذات ہے لہٰذا اپنے احسانات کی یاد آوری کا حق تو اللہ کو تھا نہ کہ بندے کو۔ کیونکہ سب عطاؤں کا مالک خود اللہ ہے۔

کربلاء کا نمونہ: علاوہ ازیں کریم اور شریف النفس انسانوں کی سیرت ہے کہ احسان کر کے مت جتلانا اگر آپ کربلا کے عظیم انقلاب کی طرف ذرا نگاہ کریں تو آپ اس میں یہ بھی دیکھیں گے کہ کربلا کا معرکہ مرکز احسانات بھی ہے اور کسی احسان کو جتلایا نہیں گیا حتیٰ کہ کم سن بچی جناب سیدہ سکینہ صلواۃ اللہ علیہا نے بھی نہیں کہا کہ بابا

ابھی تو پچھلے ہفتے ہم نے انہیں پانی پلایا ان کی سواریوں کو سیراب کیا مگر یہ کس قدر احسان فراموش ہیں کہ ہمارا تین دن سے پانی بند ہے، کربلا میں کسی بچے نے بھی اس بات کی طرف اشارہ نہیں کیا اس لیے کہ آزاد منش، حریت پسند، پاکباز، ذات کے کریم افراد احسان کا بدلہ اللہ پہ چھوڑا کرتے ہیں۔

نتیجہ: پس مکتب اہل بیت علیہم السلام اور معرکہ کربلا احسانات کا مرکز ہے اور اس سے بڑا احسان کیا کہ اپنا سب کچھ قربان کر کے دین مقدس اسلام کی حفاظت کی محسنِ اسلام کی راہ کو انسان مشعل راہ سمجھے اور نہایت عقیدت و احترام کے ساتھ شکریہ ادا کرے کہ آج ہم ان کے طفیل اسلام کے حقیقی مفاہیم سے آگاہ اور خالص اسلام سے آشنا ہیں۔

ایمان کے بعد کفر اختیار کرنا

من جملہ ان گناہوں میں سے کہ جن کی وجہ سے نیک اعمال تباہ و برباد اور باطل ہو جاتے ہیں ان میں سے ایک ایمان کے بعد کفر اختیار کرنا ہے۔

چنانچہ ارشاد پروردگار ہو رہا ہے۔

"وَمَنْ يَّرْتَدِد مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِه فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَاُوْلٰئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَ اُوْلٰئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ".

(سورہ بقرہ آیت ۲۱۷)

ترجمہ: "اور جو بھی اپنے دین سے پھر جائے گا اور اسی کفر کی حالت میں مر جائے گا ایسے لوگوں کے سارے اعمال دنیا و آخرت میں برباد ہو جائیں گے یہی لوگ اہل جہنم ہیں اور وہ ہمیشہ ہمیشہ وہیں رہیں گے"۔

پس ایمان کے بعد کفر اختیار کرنے سے بھی نیک اعمال ضائع ہو جاتے ہیں دنیاوی لحاظ سے بھی اسے کچھ نہیں ملتا کہ خداوند عالم دنیا میں اس کے نفاق اور منافقت کو ظاہر کر دیتا ہے تا کہ جو لوگ اس کی تعریف کیا کرتے تھے انہیں بھی اس کی حقیقت کا پتہ چل جائے کہ اس کے سارے اعمال اللہ کے لیے نہیں تھے بلکہ ابلیس کے لیے تھے اس طرح وہ دنیا میں رسوا ہو جاتا ہے آخرت میں بھی اسے کچھ نہیں ملتا چونکہ آخرت میں ثواب اور جزا ان کو دی جائے گی جنہوں نے ایمان اور اخلاص سے عمل انجام دیے ہوں گے لیکن جس میں ایمان ہے اور نہ اخلاص بلکہ دین حقیقی سے وہ پلٹ چکا ہے اور حالت کفر میں بغیر توبہ اور تائب ہوئے اس دنیا سے اُٹھ چکا ہے تو آخرت میں اسے کچھ بھی نہیں ملے گا۔

اس کے علاوہ اسلام کی برکت سے جو دنیاوی فوائد اس کے لیے تھے وہ فوائد اجتماعی ہوں یا انفرادی، ان سب سے وہ محروم ہو جاتا ہے اور آخرت میں بھی اس کا مقدر محرومیت ہے۔

مزید برآں ایمان سے کفر کی طرف پلٹ جانے کا مطلب یہ ہے کہ ایمان اس کے دل و جان میں راسخ نہیں ہوا تھا کہ جس کی وجہ سے وہ پھر گیا درحقیقت ایمان اس میں نہیں تھا بلکہ وہ کچھ عرصہ ایمان ظاہر کرتا رہا تو اس کا نتیجہ نفاق کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔

پس انفاق کے نتیجے میں جو اعمال صادر ہوئے ان کا ثواب اسے نہیں ملے گا اس وجہ سے اس کے اعمال حبط ہو جاتے ہیں کیونکہ استحقاق ثواب کے لیے خالص ایمان کا ہونا شرط ہے۔

خود پسندی

من جملہ ان گناہوں سے کہ جن کی وجہ سے نیک اعمال تباہ ہو جاتے ہیں گناہ خود پسندی اور اپنے اوپر ناز کرنا ہے، خود پسندی (Self-Concei) نہ فقط انسان کو حق و حقیقت سے محروم کر دیتی ہے بلکہ کمالات کے دروازے بھی اس پر بند کر دیتی ہے وہ شخص جو اپنے اوپر ناز کرتا رہتا ہے اور خود کو سب کچھ سمجھ لیتا ہے وہ کمالات کی دنیا میں بہت پیچھے رہ جاتا ہے اور ترقی کی راہیں اس کے لیے مسدود ہو جاتی ہیں اسی لیے اسلام نے خود پسندی کو دینی آفت قرار دیا ہے۔

دین کی آفات

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

"آفة الدین الحسد والعجب والفجر".

(چہل حدیث امام خمینی ص ۱۰۸)

"دین کی آفت، حسد، خود پسندی اور فخر و مباہات ہے"۔

اگر دین کو آفات سے بچانا ہے تو پھر حسد اور خود پسندی جیسی بیماریوں سے خود کو بچانا ہوگا دین کو محفوظ رکھنے کے لیے فخر و مباہات جیسی روحانی امراض سے بچنا ہو گا ظاہر ہے کہ جہاں حسد ہے وہاں دینی بیماری ہے، جہاں خود پسندی اور ناز و نمائش ہے وہاں دین کی تباہی کا سامان ہے، دین کی فصل کو باقی رکھنے کے لیے فخر و مباہات، اپنی ستائش اور حسد جیسی موذی امراض سے خود کو بچانا ہوگا۔

اصول کافی میں روایت ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

"ایک دفعہ ایک عالم کسی عابد کے پاس آیا اور ان سے نماز کی کیفیت کے

متعلق سوال کیا"۔

عابد نے (خود پسندی کی بدولت) کہا: اے صاحب مجھ سے نماز کے متعلق پوچھ رہے ہو؟ میں تو ابتداء ہی سے بڑا عبادت گزار اور نمازی ہوں۔

عالم نے کہا: عبادات میں آپ کے گریہ کا کیا عالم ہے؟

عابد نے کہا: میں اپنی عبادات میں اتنا گریہ کرتا ہوں کہ میرے آنسو صورت کو دھو دیتے ہیں۔

عالم نے عابد سے کہا: درحقیقت اگر مسکرائیں اور خدا سے ڈریں تو اس رونے سے بہتر ہے کہ جس میں خود پسندی کا امتزاج ہو اس لیے کہ جس انسان کے دل و دماغ پر اپنی ذات چھا جاتی ہے (اور وہ خود پسندی کا شکار ہو جاتا ہے) تو اس کا کوئی بھی عمل خدا تک نہیں پہنچتا اور نہ ہی اس کے اعمال قبول ہوتے ہیں۔

(اُصول کافی ج ۳ ص ۴۲۸)

درحقیقت خود پسندی، خود پرستی (Self Worship) ہے اور خود پرستی ایک بت اور حجاب ہے کہ جب تک اسے توڑا نہ جائے، عبادات خدا تک نہیں جا سکتیں کیونکہ خود پرست خدا پرست نہیں بن سکتا۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے:

من دخله العجب هلک

"جس میں خود پسندی آ گئی وہ ہلاک ہو گیا"

گناہگاروں کے لیے خوشخبری نیکوں کے لیے دھمکی

نیز حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد پاک ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو فرمایا:

"یاداؤ بشر المذنبین وانذر الصدیقین".

"اے داؤد! گناہگاروں کوخوشخبری دیں اور صدیقین کو ڈرائیں"

حضرت داؤدؑ نے بارگاہ الٰہی میں التجا کی یااللہ! میں کیسے گناہگاروں کو خوشخبری دوں اور صدیقین کو ڈراؤں؟

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

یا داؤد بشر المذنبین انی اقبل التوبه واعفوا من الذنب وانذر الصدیقین الا یعجبوا باعمالهم، فانه لیس عبداضعه للحساب الاهلک.

اے داؤد! گناہگاروں کو بشارت دیں کہ میں ان کی توبہ قبول کرلوں گا اور ان کے گناہوں سے درگزر کروں گا جب کہ صدیقین کو ڈرائیں کہ وہ اپنے اعمال پہ ناز نہ کریں اس لیے کہ جس بندے کا میں حساب لینا چاہوں تو پھر اس کی ہلاکت کے سوا کچھ نہیں ہے۔

تین کمر توڑ بیماریاں

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں۔

"ثلث قاصمات الظهر رجل استکبر عمله ونسی ذنوبه واعجب برایه".

تین چیزیں کمر توڑنے والی ہیں۔

۱۔ ایسا شخص جو اپنے اعمال کو زیادہ شمار کرتا ہے۔

۲۔ وہ آدمی جو اپنے گناہوں کو بھول گیا ہو۔

۳۔ وہ شخص جو اپنی رائے میں خود پسندی کا شکار ہو۔

ہر شخص پر لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نعمات اور حسنات کے مد مقابل، خود کو اور اپنے اعمال کو کچھ نہ سمجھے، جو شخص اپنے گناہوں کو یاد رکھتا ہے وہ شاہراہ کمال کی جانب گامزن رہتا ہے، ایسے شخص میں خود الہیٰ پیدا ہوتا ہے اور وہ اپنے مالک اور خالق کے سامنے نافرمانی کرنے کی جرأت نہیں کرتا اور وہ شخص جسے فقط اپنی رائے پسند ہوتی ہے وہ اپنی ذات میں گرفتار رہتا ہے اجتماع اور اجتماعیات سے اس کا کوئی سروکار نہیں رہتا۔ اسلام ہمیں انفرادیت (Individualismm) کا درس نہیں دیتا بلکہ سوشل (Social) دیکھنا چاہتا ہے اسلام میں فقط فرد کا مفاد ہی مدنظر نہیں بلکہ اجتماع کا مفاد بھی عزیز ہے پس جو شخص اپنی ہی رائے پہ ڈٹا رہتا ہے اور معاشرتی مسائل سے صرف نظر کرتا ہے تو وہ معاشرہ پر اپنا حکم لاگو کرنے کی سوچتا ہے اور دوسروں کو اپنی رائے کا تابع بنانا چاہتا ہے۔

ایسا شخص ڈکیٹروں کی صف میں آ جاتا ہے اسلام میں ایسے شخص کا کوئی مقام نہیں ہے ایسے شخص کے اچھے اعمال بھی ضائع جائیں گے ایک مومن ہمیشہ بیدار رہتا ہے اور خود کو شیطانی جالوں سے آگاہ رکھتا ہے کیونکہ شیطان ہمیشہ مومن کے نیک اعمال کی تباہی اور تاراجی کے درپے رہتا ہے، وہ ایک مومن کو خود پسندی اور خود بینی میں مبتلاء کر کے اس کے نیک اعمال ضائع اور تباہ کروا دیتا ہے، عمل تو بہت اچھا انجام پایا تھا مگر خوبینی کی آفت اسے تباہ کر دیتی ہے۔

شیطان کے غلبہ حاصل کرنے کا ہتھیار

روایت میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے شیطان سے پوچھا:

"اخبرنی بالذنب الذی اذا اذنبه ابن آدم استحوذت علیه".

"مجھے ایسے گناہ کے بارے بتاؤ کہ جس کے ارتکاب کرنے پر تو فرزند

آدم پر غالب آجاتا ہے"۔

شیطان نے کہا:

"اذا عجبه نفسه واستكثر عمله وصغر فی عینه ذنبه".

"جب فرزند آدم اپنے اوپر ناز کرتا ہے، اپنے اعمال کو زیادہ شمار کرتا ہے اور گناہ کو معمولی شمار کرتا ہے (تو میں اس پر مسلط ہو جاتا ہوں اور اسے گمراہ کرتا ہوں)" یہ تین چیزیں شیطان کا غلبہ کا ہتھیار ہیں۔

(چہل حدیث امام خمینیؒ ص ۲۸)

پس اپنے اعمال کو شیطانی چراگاہ سے بچائیں اور خود پسندی جیسی وحشت ناک حالت سے اپنے اعمال کو محفوظ رکھیں خود بینی ایسی وحشت ناک حالت ہے جو انسان کو تنہا کر دیتی ہے لوگ خود پسند سے نفرت کرتے ہیں۔

وحشت ناک ترین حالت

جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جناب امیر علیہ السلام کو وصیت فرمائی۔

"ولا وحدة اوحش من العجب".

(چہل حدیث امام خمینیؒ ص ۶۸)

"خود پسندی سے بڑھ کر وحشت ناک ترین تنہائی کوئی اور نہیں ہے"۔

خود بین اور خود پسند اپنی ذات میں گم ہو کر سب کچھ کھو بیٹھتا ہے خود پسند اپنی برائیوں کو نہیں دیکھتا بلکہ دوسروں کے عیبوں کی تلاش میں رہتا ہے اور یہ وہ مصیبت ہے کہ جو کمال تک نہ پہنچنے کا سبب بنتی ہے جب یہ بیماری لگ جائے تو یہ اتنی خطرناک ہے کہ اس کے علاج سے علماء اخلاق بھی عاجز آجاتے ہیں۔

خود پسند خلقِ خدا کا احترام نہیں کرتا بلکہ اللہ تعالیٰ کی مخلوقات کو حقیر شمار کرتا

ہے وہ دوسروں کے اعمال پر نکتہ چینی کرتا ہے جب کہ اسے اپنے اعمال کی کوئی فکر نہیں ہوتی۔

خود پسند کا ایک اور فساد یہ ہے کہ وہ تکبر میں گرفتار رہتا ہے، ریاکاری کا شکار رہتا ہے اس لیے خود پسندی خود ایک مصیبت ہی نہیں بلکہ کئی مصیبتوں کا پیش خیمہ ہے خود پسندی کئی دوسری برائیوں کو جنم دیتی ہے کہ جن میں تکبر اور ریاء سر فہرست ہیں۔لہٰذا پوری کوشش کی جائے اور خود پسندی کی حالت سے خود کو :بچایا جائے خود پسندی ایک قابل مذمت حالت ہے اس حالت سے چھٹکارا حاصل کر کے ہی انسان خدا پرست بن سکتا ہے۔

خود پسندی کا سبب حب ذات ہے

خود خواہی اور خود پسندی کا منشا اپنی ذات سے محبت ہے کہ جس وجہ سے انسان اپنے اعمال کو زیادہ اور دوسروں کے اعمال سے بہتر شمار کرتا ہے اور خلق خدا کے اعمال پر اس کی نگاہ نہیں ٹھہرتی بلکہ بعض اوقات وہ اپنے برے اعمال کو بھی اچھی صورت میں دیکھتا ہے خود پسند کی تمام تر کوشش یہ ہوتی ہے کہ دوسروں کے نیک اعمال کو بھی اس طرح پیش کرے کہ جس سے ان کی برائی نمایاں ہوتی ہو اور وہ اپنے برے اعمال کی اس طرح توجیہ کرتا ہے کہ گویا اس کی برائیوں سے خوبیاں جھلک رہی ہوتی ہیں۔

خود پسند کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ خلق خدا سے بد بین جب کہ اپنی ذات سے خوش بین ہوتا ہے۔

خود پسند کے لیے موعظہ کی ضرورت

جب ایسی حالت کسی میں پیدا ہو جائے تو اسے موعظہ کی ضرورت ہے توجہ دلانے کی ضرورت ہے کہ وہ کس حوالے سے اپنے اعمال پر ناز کرتا ہے کیونکہ جو بھی اس نے اعمال انجام دیے ہیں وہ خداوند کی دی ہوئی طاقت سے انجام دیئے ہیں اگر خداوند اس سے طاقت چھین لیتا اس کے واسطے نیک اعمال کا ماحول ہی مہیا نہ کرتا وہ کس طرح اچھے اعمال کو بجا لا سکتا تھا واضح رہے جس عمل میں ریاء، دکھلاوا اور تکبر ہو وہ عمل بارگاہ خدا میں قبول نہیں ہوتا لہٰذا اپنی ذات کی نفی کرنا ہو گی اور خود کو محتاج محض سمجھنا ہو گا خدا کی معرفت حاصل کرنا ہو گی ایسے اعمال جو عجب اور خود پسندی کا شکار ہو جائیں ان اعمال کی کوئی حیثیت نہیں کیونکہ خدا کے نزدیک اس طرح کے اعمال بے حیثیت اور بے قیمت ہیں ایسے اعمال قیامت کے دن شرم کا باعث بنیں گے جن اعمال میں اپنی ذات کا عنصر شامل رہا ہو وہ قابل تقدیر نہیں ایسی حالت سے خود کو بچایا جائے۔

خود پسند اپنی ذات کو بے عیب تصور کرتا ہے اور اپنے اندر کمالات کی نسبت خدا کی طرف دینے کی بجائے اپنی طرف دیتا ہے خود خواہ اس قدر نفسیاتی مریض ہو جاتا ہے کہ وہ اپنی ذات کے علاوہ کسی کو نہیں دیکھتا وہ ایک قسم کے جہل مرکب میں گرفتار ہو جاتا ہے اور جہل مرکب کا علاج بہت ہی مشکل ہوتا ہے مگر یہ کہ خدا کا فضل وکرم شامل حال ہو جائے چونکہ اس میں دو جہالتیں شامل ہوتی ہیں ایک تو یہ ہے کہ وہ حقیقت کو نہیں جانتا اور پھر دوسری یہ بھی کہ وہ اپنی جہالت سے بھی نا واقف ہوتا ہے۔

خود پسند بھی ایسے ہی ہے کہ ایک تو اسے اپنی ذات کی معرفت نہیں چونکہ

اگر ہوتی تو وہ اپنی ذات پر ناز نہ کرتا اور دوسری بات یہ ہے کہ وہ اپنی ذات سے اپنی ناواقفیت کو بھی نہیں جانتا۔

کیونکہ اگر وہ اپنی ذات سے اپنی ناواقفیت کو جانتا ہوتا تو پھر اس کے علاج کی فکر کرنا جب کہ ایسا نہیں، وہ ایسا بیمار ہے جو اپنی بیماری سے ناآگاہ ہے بلکہ نا فقط اپنی بیماری سے ناواقف ہے بالکل وہ یہ خیال کرتا ہے کہ وہ صحیح وسالم ہے اسے کوئی بیماری نہیں ہے۔

اگر خود پسند یہ جانتا ہوتا کہ میری ذات میری اپنی نہیں بلکہ خدا کی عطا کردہ ہے تو خدا کے جلال و جمال کی ستائش کرتا خدا کے کرم وفضل کی بات کرتا مگر افسوس ہے کہ خود پسند کو تو اپنی ذات کے سوا کچھ نظر ہی نہیں آتا۔

قرآن میں خود پسندی کی مذمت

قرآن کریم نے خود پسندی کی سخت مذمت کی ہے اور اس سے منع فرمایا ہے۔

ارشاد رب العزت ہے۔

"فَلَا تُزَكُّوْا اَنْفُسَكُمْ"

(سورہ نمبر ۵۳ آیت ۳۲)

"اپنے نفسوں (ذوات) کو پاک و پاکیزہ قرار مت دو یعنی خود ستائشی سے بچو"۔

اپنی تعریف وستائش اور اپنی ذات کے اوپر ناز کرنے کا نام ہی تو خود پسندی ہے۔ بہرحال خود پسندی سے ہر حال میں بچنا ہوگا اور اس کے لیے بچاؤ کی تدبیر کرنا ہوگی۔

خود پسندی کا علاج

ا۔علم ومعرفت

خود پسندی اور خود خواہی ایک بہت ہی خطرناک اور موذی مرض ہے اور اس کا منشاء جیسا کہ پہلے بھی عرض کیا گیا ہے واقعیت اور حقیقت سے لاعلمی اور جہالت ہے خود پسندی کی بنیاد اپنی ذات سے ناواقفیت اور جہالت ہے بنابرایں خود پسندی کا علاج علم ومعرفت کے ذریعے ہی میسر ہے خود پسندی کی حالت میں کمی اور زیادتی ہوتی رہتی ہے انسان کی جوں جوں اپنے بارے معرفت زیادہ ہوگی اسی مقدار میں خود پسندی ختم ہوتی رہے گی اور اسی طرح جیسے حقائق اور اپنی ذات سے لاعلمی بڑھتی جائے گی توں توں خود پسندی کی حالت میں اضافہ ہوتا جائے گا لہٰذا خود پسندی سے دوری کے لیے پہلے اپنے آپ کو علم جیسی دولت سے آراستہ کرنا ہوگا وہ علم کہ جو انسان کے کردار اور سیرت کو صحیح کرے ورنہ کئی علوم ہیں کہ جو نہ فقط خود پسندی کو ختم نہیں کرتے بلکہ خود پسندی میں اضافہ کا سبب بنتے ہیں اخلاق وکردار کی تعمیر اور تطہیر باطنی کے علوم سے نفس کو پاک کرے تا کہ خود پسندی کا خاتمہ ہو سکے جہالت اور واقعیت کو نہ جاننا بذات خود بہت بڑی بیماری ہے کہ جو دوسری نفسانی بیماریوں کا بھی پیش خیمہ ہے پس بے انتہا ضروری ہے کہ جہالت کو علم میں بدلا جائے نادانی سے جان چھڑا کر دانائی حاصل کی جائے تا کہ عجب اور خود پسندی کا علاج کیا جا سکے۔

۲۔معرفت پروردگار

خود پسندی سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے خداوند متعال کی معرفت بھی ناگزیر ہے اللہ تعالیٰ کی آیات اور مخلوقات پہ غور وفکر کیا جائے یہ سب عالم کون ومکان

خدا کی مخلوق ہیں۔

"اللہ خالق کل شی ء".

"ہر چیز کا خالق خداوند متعال ہے"۔

اللہ تعالیٰ کی صفت ربوبیت جو کہ ہر مخلوق میں اپنے آثار رکھتی ہے اس کی معرفت حاصل کرے.....، ظاہر ہے جب وہ اللہ کی ربوبیت کو پہچان لے گا تو اسے یہ یقین ہوگا کہ کائنات عالم کی تربیت کے ساتھ ساتھ اس کا وجود بھی خدا کی ربوبیت کے تحت ہے، خدا ہی ہے جو تمام کمالات کے لیے بنیاد فراہم کرتا ہے وہ کتنا کریم ہے کہ اس نے عدم سے وجود اور پستی سے ہستی کو قرار دیا انسان کی عزت اور اس کا شرف معرفت پروردگار میں ہے کہ جو ہر کمال اور ہر سعادت کا عطاء کرنے والا ہے اگر معرفت الہیٰ نہ ہو گی تو پھر بے شمار روحانی بیماریاں اس پر ہجوم کریں گی لہٰذا معرفت پروردگار کا حصول ضروری ہے تا کہ کمال و سعادت کا حصول ممکن ہو جائے اور اس کے ساتھ نفسانی و روحانی امراض سے بھی جان چھڑائی جا سکے۔

۳۔خودشناسی

خود شناسی، خدا شناسی کا بھی ذریعہ ہے اور خود پسندی سے چھٹکارا حاصل کرنے کا علاج بھی ہے اگر معرفت پروردگار زندگی کا مقصد ہے تو معرفت نفس اس کا ذریعہ ہے۔

معرفت نفس سے انسان معرفت خدا تک پہنچتا ہے اور معرفت خدا زندگی کو با مقصد بناتی ہے جس سے انسان باقی موجودات سے ممتاز ہو جاتا ہے۔

ارشاد پروردگار ہے:

"وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ نَسُوا اللَّهَ فَأَنسَاهُمْ أَنفُسَهُمْ أُولَٰئِكَ هُمُ

الْفَاسِقُوْنَ".

(سورہ حشر آیۃ ۱۹)

ترجمہ: "اور خبردار ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا کہ جنہوں نے خدا کو بھلا دیا ہے تو خدا نے ان کے لیے ان کے اپنے نفسوں کی فراموشی طاری کر دی یعنی خدا فراموشی کی وجہ سے وہ خود فراموشی میں مبتلا ہو گئے اور وہی تو وہ لوگ ہیں جو واقعی فاسق اور بدکار ہیں"۔

بعض علماء اس آیۃ کریمہ کو معروف و مشہور حدیث

"من عرف نفسه فقد عرف ربه"

"جس نے اپنے آپ کو پہچانا" اس نے خدا کو پہچانا کی طرف نسبت دیتے ہیں یعنی خدا کی معرفت کا حصول معرفت نفس سے ہوتا ہے تو پھر خدا کی فراموشی اس بات پر دلیل ہے کہ وہ شخص خود فراموش ہے اگر اس کا باطن بیدار ہوتا تو اس کا دل ذاتِ پروردگار کا ذاکر ہوتا بالفاظ دیگر جو خدا کو بھول گیا درحقیقت وہ اپنے آپ سے غافل ہے۔ خدا کی معرفت نفس کی بیداری پر دلیل ہے۔ پس جس کا نفس بیدار اور دل بابصیرت ہوتا ہے وہ اپنے اوپر فخر و مباہات نہیں کرتا۔

نتیجہ یہ نکلا کہ خود پسندی سے بچنے کے لیے ضروری ہے کہ انسان خود شناس ہو، خود شناسی انسان کو جہاں خدا شناسی تک پہنچاتی ہے وہاں پر اسے عجب اور خود پسندی جیسے موذی اور خطرناک مرض سے بھی نجات دلاتی ہے۔

حضرت امیر المومنین (علیہ السلام)

"عجبت لمن يجهل نفسه كيف يعرف ربه".

"مجھے تعجب ہے اس شخص پر کہ جسے اپنی ذات کی تو معرفت نہیں بھلا وہ خدا

کی معرفت کیونکر حاصل کر سکے گا"۔

یہ بات حقیقت ہے کہ اپنی ذات کی معرفت سے دیگر معارف کے دروازے کھل جاتے ہیں اور وہ دیگر حقائق کو آسانی کے ساتھ حاصل کر لیتا ہے۔ اگر کوئی حجاب میں ڈوبا ہوا ہوگا تو پھر وہ دوسری حقیقتوں تک دسترس حاصل نہیں کر سکے گا۔

انسان کو اپنے حالات بارے سوچنا چاہیے۔ شکم مادر کی دنیا، بدن کی ساخت اور اس میں سینکڑوں قسم کا دقیق و باریک نازک نظام، انسانی بدن کے اجزاء اور اس کا اندر والا نظام ایک عظیم کارخانہ کی مانند ہیں۔ بدن کے تمام اعضاء پورے نظم وضبط سے کام کر رہے ہیں۔ علاوہ ازیں انسان کا بدن زندگی کو باقی نہیں رکھ سکتا بلکہ دوسرے موجودات جیسے پانی، ہوا، نباتات، جمادات، حیوانات اور زمین و آسمان کی ہر چیز کا محتاج ہے۔

سوچنے کی بات ہے کہ یہ سارے اسباب کس نے فراہم کیے ہیں؟ کس عالم اور قادر نے یہ عظیم نظام ترتیب دیا ہے؟ ہر بیدار ضمیر اور صاحب عقل یہ جواب دے گا کہ وہ عالم وتوانا اور اسباب کا فراہم کرنے والا خدا ہے۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ جس خدا نے اتنی ساری نعمتیں انسان کے اختیار میں قرار دے دی ہیں تو کیونکر اس خدا کا شکریہ ادا نہ کیا جائے اور اپنے بدن اور ذات کی ستائش کی جائے۔ ان احسانات کے مقابل میں خدا کی ستائش کی جائے نہ کہ اپنی چونکہ اپنی ذات بھی اسی کی عطا کردہ ہے۔

سیرت معصومین علیہم السلام کا مطالعہ خود پسندی کے خاتمہ کا ذریعہ ہے

جب انسان سیرت رسول گرامی اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آئمہ معصومین علیہم السلام کے احوال پر نگاہ کرتا ہے تو اسے اپنے سارے اعمال بے حقیقت نظر آتے ہیں کیونکہ وہ یہ پڑھتا ہے کہ عبادت الہیٰ کی وجہ سے ان کے پاؤں پر ورم آجاتے تھے وضو کرتے وقت ان کا پورا جسم کانپ رہا ہوتا تھا ان کا رنگ زرد پڑ جاتا تھا مگر وہ اپنی عبادات پر ناز نہیں کرتے.....سوچیئے !! رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حضرت امیر المومنین (علیہ السلام) اور حضرت امام زین العابدین علیہ السلام سے بڑھ کر کوئی عبادت کرسکتا ہے؟ آئمہ اطہار (علیہم السلام) تو خوفِ پروردگار سے اس قدر گریہ کریں اور عبادات کو خضوع وخشوع سے بجالائیں اور ہم اپنے بے وقعت اور بے حیثیت اعمال پر اتر آئیں !! سوال ہے کیا ہماری خدا کے بارے معرفت اور ہمارا علم ان سے بڑھ کر ہے؟ وہ تو مدرسہ الہیٰ کے تعلیم یافتہ تھے اور وہی ہر علم ومعرفت کا سرچشمہ ہیں؟ کیا ہمارا انفاق اور ایثار ان سے بڑھ کر ہوسکتا ہے وہ تو اس وقت تک نہ سوتے تھے جب تک یتیموں اور محتاجوں کے سرہانے غذا نہ پہنچادیتے اور انفاق بھی ایسا کہ کسی کو خبر تک نہ ہوتی تھی۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام ہر روز راہ خدا میں انفاق فرماتے جب رات ہوجاتی تو امام علیہ السلام ان گھروں میں جاتے جو شرم کی وجہ سے سوال نہیں کرتے تھے اور ان میں اس طرح مال اور غذائی سامان تقسیم کرتے کہ انہیں خبر تک نہ ہوتی کہ کون ان کی مدد کرنے کے لیے آیا ہے۔ امام علیہ السلام غیر علنی صدقہ اور انفاق کی اہمیت اپنے عمل سے بتاتے اور آپ مسلسل فرمایا کرتے تھے کہ

"ان صدقة السر تطفی غضب الرب کما یطفی الماء الحطب فاذا تصدق احدکم فاعطیٰ بیمینه فلیخفها عن شماله"

(سفینۃ البحار ج ۲ ص ۲۴ نقل از سیرہ عملی اہلبیتؑ تالیف سید کاظم ص ۲۶)

مخفی صدقہ (Hidden Charity) اس طرح خداوند عالم کے غضب کو بجھا دیتا ہے جیسے پانی آگ کو بجھا دیتا ہے آپ میں سے جب بھی کوئی داہنے ہاتھ سے صدقہ دے تو بائیں ہاتھ کو اس کی خبر نہیں ہونی چاہیے۔

امام علیہ السلام کی عبادت کا یہ عالم ہے کہ پانچویں امامؑ کی روایت ہے۔ میں نے اپنے بابا کو دیکھا کہ آپ بہت زیادہ عبادت کرتے تھے۔ شب بیداری سے آپ کا رنگ زرد اور زیادہ گریہ و زاری کی وجہ سے آپ کی آنکھیں زخمی اور کثرت سجود کی وجہ سے آپ کی پیشانی مجروح اور زیادہ قیام کی وجہ سے آپ کے پاؤں پر ورم آچکے تھے..... جب میں نے بابا کی یہ حالت دیکھی تو بے ساختہ رونے لگا..... امام علیہ السلام نے مجھے دیکھ کر فرمایا:

بیٹا! میرے جدامجد حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہما السلام کی وہ کتاب لے کر آئیں جس میں امامؑ کی عبادات ہیں جب میں لے کر آیا تو امامؑ نے تھوڑا سا مطالعہ کرنے کے بعد فرمایا:

میرے جد! امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہما السلام کی طرح کون عبادت کرسکتا ہے؟ (قلب سلیم ص ۴۸۰، بحار الانوار ج ۱۱)

انسان غور کرے کہ رسول خداؐ کی عبادت اتنی زیادہ کہ آپ کے پاؤں پر ورم آجاتے آئمہ اطہار علیہم السلام کی طریقہ عبادات کا جب مطالعہ کرتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ ان میں کسی قدر جو خشیت پروردگار موجود ہوتی تھی وہ تو وضو کرتے وقت

کانپ رہے ہوتے، چہرے کا رنگ زرد پڑ جائے..... تکبیرات کہتے وقت ان پر گریہ کی کیفیت طاری ہوتی اور ان کا بدن خوف الٰہی سے کانپ رہا ہوتا..... یہ سب کچھ دیکھ کر تو انسان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں پس ان کی سیرت دیکھ کر خود پسندی اور غرور و تکبر کے سارے بُت ٹوٹ جاتے ہیں چنانچہ خود پسندی کے علاج کے لئے پیغمبر گرامی اسلامؐ کی پاک سیرت اور اہلبیت علیہم السلام کے احوال کا مطالعہ ضرور کیا جائے اور ان کے اعمال، عبادات کو سامنے رکھ کر پھر اپنے بارے سوچا جائے۔

مختصر یہ ہے کہ انسان اگر پوری زندگی اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں سرگرم عمل رہے اور اپنا سب کچھ خدا کی راہ میں خرچ کر دے تو حقیقت میں خداوند عالم کی کسی ایک نعمت کا شکر بھی ادا نہیں ہوتا ہمارا سب کچھ اللہ تعالیٰ کی عطا کے مقابل میں کچھ بھی نہیں ہے۔ بلکہ ہمارا اپنا کچھ ہے ہی نہیں!! تو پھر جو اپنا نہیں ہے اسے کس طرح اپنا شمار کر سکتے ہیں۔ یہ تو خدا کا کرم اور تفضل ہے کہ اس نے اجازت دی ہے کہ ہم ان سب اشیاء کو اپنی طرف نسبت دے سکتے ہیں۔ حقیقت میں تو ایسا نہیں ہے.....!!

دعاء: خداوند عالم ہمارے دل کے آئینے کو اخلاص نور سے منور فرمائے اور خود پسندی جیسی تباہ کن نفسانی بیماری سے ہمارے دل کو پاک فرمائے ہمارے قلوب کو اخلاق آل محمد (علیہم السلام) اور سیرت رسولؐ سے نورانی فرمائے۔

مال حرام کا اثر

وہ گناہ کہ جن سے اعمال ضبط اور برباد ہو جاتے ہیں ان میں سے ایک حرام مال کھانا ہے۔ حدیث میں ہے کہ جناب رسالتمآب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) فرماتے ہیں کہ

"ليجيئن اقوام يوم القيامة لهم من الحسنات كجبال تهامة فيومر بهم الى النار فقيل يا نبي الله! أهم مصلون"؟

"قال يصلون و يصومون و يأخذون و هنا من الليل لكنهم كا نوا اذا لاح لهم شيء" من الدنيا و ثبوا عليه".

(عدة الداعی ص ۲۹۵ نقل از آثار گناہان ص ۱۵۸، ۱۵۹)

''قیامت کے دن بعض لوگوں کے اعمال حسنہ مکہ کے پہاڑوں کی مانند ہوں گے پس ایسے میں انہیں حکم دیا جائے گا کہ ان کے اعمال کو لے جاؤ اور انہیں آگ میں پھینک دو''۔

پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے پوچھا گیا: یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کیا یہ لوگ نماز پڑھنے والے ہوں گے؟

پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: یہ نمازیں بھی پڑھتے تھے روزوں کے بھی پابند تھے حتیٰ کہ رات کے کچھ حصے میں اُٹھ کر عبادت بھی کیا کرتے تھے مگر (ان کی مصیبت یہ تھی) دنیا میں جو کچھ ملتا تھا وہ اسے کھا جاتے تھے (یعنی حرام وحلال کی کوئی تمیز نہیں کرتے تھے)۔

یہ لوگ حلال وحرام کا خیال نہ کرنے کی وجہ سے اپنی نیکیاں ضائع کر بیٹھیں گے اور ان کے حسنات برباد ہو جائیں گے چنانچہ اگر مطعم اور مشرب (کھانا پینا) صحیح نہیں ہے اگر کسب وکار صحیح نہیں ہے اور کمائے ہوئے مال سے واجبات الٰہی کو ادا نہیں کیا حلال کمائی کر کے پھر اس سے خمس وزکات نہیں دیا تو وہ رزق حلال نہیں رہتا...... پس جب اس کا رزق حلال نہیں تو پھر اسے اپنے اعمال کی بربادی پر حیران نہیں ہونا چاہیے حتیٰ کہ روایت میں ہے کہ جو شخص اپنے مالی واجبات کا خیال نہیں کرتا، خداا

کی دعا کو بھی قبول نہیں کرتا۔

جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ

"من احب ان یستجاب دعائه فلیطب مطعمه و مکسبه"

(سفینۃ البحار ج ا ص ۴۴۸ تا ۴۴۹)

"جو چاہتا ہے اس کی دعا قبول ہو اسے چاہیے کہ وہ اپنی غذا اور کسب و کار کو پاک و پاکیزہ بنائے۔

گناہوں سے زندگی کم ہو جاتی ہے

گناہوں اور برے اعمال کی وجہ سے زندگی میں کمی ہو جاتی ہے گناہوں کی وجہ سے انسان توفیقات اللہ تعالیٰ کی عنایات سے محروم ہو جاتا ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

"من یموت بالذنوب اکثر ممن یموت بالاجال"

(بحار الانوار ج ۵ ص ۱۴۰)

"طبیعی موت کی بہ نسبت گناہوں سے مرنے والوں کی تعداد زیادہ ہوتی ہے"۔

ایک اور حدیث میں امام علیہ السلام فرماتے ہیں:

"یعیش الناس باحسانهم اکثر مما یعیشون با عمارهم و یموتون بذنوبهم اکثر مما یموتون باجالهم" (مصدق سابق)

"بعض لوگ احسان و نیکی کی بدولت طبیعی زندگی سے زیادہ طولانی عمر پاتے ہیں جب کہ طبیعی موت کی بہ نسبت گناہوں کی وجہ سے مرنے والوں کی تعداد زیادہ

ہوتی ہے"۔

موت کی اقسام

موت کی دو قسمیں ہیں۔

۱۔ **حتمی و قطعی موت:** اس کے مقابل میں کوئی چارہ نہیں یہ اٹل اللہ کا فیصلہ ہے اور اس کا وقت معین اور حتمی ہے۔

۲۔ **غیر حتمی موت:** وہ موت ہے کہ جو مشروط ہوتی ہے اور اگر وہ شرط فراہم ہو جائے تو موت ٹل جاتی ہے۔ اگر شرط حاصل نہ ہوتی تو موت واقع ہو جاتی ہے جیسا صدقہ سے موت ٹل جاتی ہے صلہ رحم، دعا و مناجات اور حسن خلق وغیرہ سے موت سے انسان بچ نکلتا ہے چنانچہ حتمی (Conditional) موت مشروط نہیں بلکہ وقت معین فیصلہ کن ہے جب کہ غیر حتمی موت ایک قسم کی ان کنڈیشنل (Conditional) موت ہوتی ہے کہ اگر شرائط مہیا ہو گئیں تو زندگی بڑھ جاتی ہے اور شرط حاصل نہ ہو سکی تو زندگی کا سلسلہ منقطع کر دیا جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ روایات میں ہے کہ صلہ رحم سے زندگی بڑھ جاتی ہے اسی طرح صدقہ دینے سے زندگی بڑھ جاتی ہے۔ اور اعمال بھی ہیں جو زندگی بڑھاپے کا وسیلہ ہیں کتب اخلاق میں مطالعہ کریں۔

وہ گناہ جن سے زندگی مختصر ہو جاتی ہے

قطع رحم

قطع رحم کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنے والدین، عزیز و اقارب اور اپنے دوستوں سے اچھا سلوک نہ کرے ان سے اچھے تعلقات نہ رکھے ان کے ساتھ ٹھیک

سے پیش نہ آتا ہو یا ان کے حقوق کا خیال نہ کرے۔

حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام فرماتے ہیں:

"ان الیمین الکاذبه و قطیعة الرحم تذران الدیار بلاقع من اهلها"

(درالسلام ج۳ص۱۹۳)

"جھوٹی قسم اور قطع رحم سے گھر ویران ہو جاتے ہیں گھر اور گھر والے اجڑ جاتے ہیں (یعنی ان کی عمر میں کمی ہو جاتی ہے اور وہ لقمہ اجل بن جاتے ہیں)"

اسی طرح ایک اور خطبے میں فرمایا:

"اعوذ بالله من الذنوب التی تعجل الفناء"

"اللہ سے ان گناہوں کی پناہ مانگتا ہوں کہ جن سے زندگی کی نابودی جلدی ہو جاتی ہے۔

کسی نے پوچھا: یا امیر المومنین علیہ السلام کیا کچھ ایسے گناہ بھی ہیں کہ جن سے جلدی موت واقع ہو جاتی ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا:

"نعم و یلک! قطیعة الرحم".

(اصول کافی ج۴ص۴۸)

"جی ہاں! وائے ہو تم پر۔ وہ گناہ قطع رحمی ہے، اپنے عزیز و اقارب کے ساتھ تعلقات توڑنے سے موت جلدی آجاتی ہے۔

قطع رحم کا نتیجہ

حضرت امام جعفر صادق کے ایک صحابی سے منقول ہے کہ میں امام علیہ السلام کی خدمت میں گیا اور عرض کیا یا بن رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! میرے چچا زاد بھائیوں نے میرے ناک میں دم کر رکھا ہے انہوں نے میرے پورے گھر پر قبضہ کر لیا ہے کہ جس میں مجھے ایک کمرہ دیا ہے مناسب نہیں لگتا اگر میں چاہتا تو پورے کو بزور لے سکتا تھا۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: صبر کرو خدا تمہارے لیے آسانی پیدا کر دے گا۔

راوی کہتا ہے (امام علیہ السلام کی نصیحت کے بعد) میں نے جائیداد سے اپنے حق لینے کا خیال دل سے نکال دیا کہ ۱۳۱ ہجری میں وبا آئی ان میں سے ایک آدمی بھی زندہ نہ بچا وہ سارے اس وباء میں ہلاک ہو گئے اس واقعہ کے بعد میں امام علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے مجھے دیکھتے ہی فرمایا: وہ گھر کے مالک کہاں گئے؟

میں نے عرض کیا: یا بن رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! وہ تو سارے ہلاک ہو گئے ہیں ان میں سے فقط ایک آدمی بچا ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: ان کی اس بدسلوکی کا نتیجہ ہے اور اس قطع رحم کا انجام ہے کہ جو تیرے ساتھ انہوں نے روا رکھا۔

(اصول کافی ج ۴ ص ۴۷)

جھوٹ بولنا

جھوٹ انسان کی زندگی کو کم کردیتا ہے جھوٹ بولنے والا شخص بالآخر ذلت اور رسوائی سے ہمکنار ہوتا ہے لوگ اس کی بات پر یقین نہیں کرتے دروغگو لوگوں کی نگاہوں سے گر جاتا ہے۔اس کا احترام ختم ہو جاتا ہے۔

حضرت امیر المومنین علیہ السلام ایک خطبے میں ارشاد فرماتے ہیں:

"الا فاصدقوا فان اللہ مع الصادقین وجانبوا الکذب فان الکذب مجانب الایمانَ الاوان الصادق علی شفا منجاۃ و کرامۃ الاوان الکاذب علی شفا فزلۃ وھلکۃ"

(علل الشرائع ج ا ص ۲۳۵)

"اے لوگو! سچ بولا کرو کہ خدا سچوں کے ساتھ ہے جھوٹ نہ بولیں کیونکہ جھوٹ اور ایمان میں بعد مشرقین ہے (جھوٹ اور ایمان آپس میں ایک دوسرے کے مدمقابل ہیں) یقیناً سچ بولنے والا نجات اور عزت سے ہمکنار ہوتا ہے اور جھوٹ بولنے والے کو ذلت وخواری اور ہلاکت کا منہ دیکھنا پڑتا ہے۔

حضور سرور کائنات پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

"ان الیمین الکاذبہ تذر الدیار بلاقع من اھلھا و تورث الفقر فی العقب".

(سفینۃ البحار ج ا ص ۲۹۷)

"بے شک جھوٹی قسم کھانے سے اہل خانہ تباہ اور گھر اجڑ جاتے ہیں اور جھوٹ فقر وتنگدستی کو وراثت میں دیتا ہے (یعنی اس کے اہل وعیال فقر وتنگدستی میں

گرفتار ہو جاتے ہیں)"

پس جھوٹ کے اثرات میں زندگی کی کمی، گھروں کا اجڑ جانا اور فقر و تنگدستی کا پیش خیمہ قرار پاتا ہے جھوٹ کے مزید اثرات کے لیے گزشتہ بحث "گناہوں سے عیب فاش ہو جاتے ہیں" کے ضمن میں ملاحظہ فرمایئے۔

زنا(ADULTERY)

وہ گناہ کہ جن سے انسان کی زندگی کوتاہ ہو جاتی ہے ان میں سے ایک زنا(Fornication) ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد پاک ہے۔

"یا معشر المسلمین ایاکم والزنا فان فیه خصال: ثلاث فی الدنیا وثلاث فی الآخرہٖ فاما التی فی الدنیا فانه یذهب بالبهاء، یورث الفقر و ینقص العمر واما التی فی الآخرة فغضب الرب وسوء الحساب والدخول فی النار والخلود فی النار".

(خصال ج ا ص ۳۲۰ تفسیر نمونہ ج ۲ ص ۱۱۴)

"اے مسلمانوں کی جمعیت! زنا سے اجتناب کریں کہ اس میں چھ بری خصلتیں ہیں تین کا تعلق اس دنیا کے ساتھ ہے اور تین آخرت میں ظاہر ہوں گی"۔

وہ تین کہ جن کا اثر اس دنیا میں ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ ا۔ جمال و خوبصورتی ختم ہو جاتی ہے۔ ۲۔ فقر و تنگدستی گھیر لیتی ہے۔ ۳۔ عمر کم ہو جاتی ہے۔

وہ تین کہ جن کا تعلق آخرت سے ہے یہ پروردگار کے ا۔ غضب ۲۔ حساب کتاب میں سختی ۳۔ آتش جہنم میں دخول اور دوام کا سبب بنتا ہے۔

ایک اور حدیث میں آپؐ نے فرمایا:

"اذا کثرا لزنا من بعدی کثر موت الفجاۃ".

(اصول کافی ج ۴ ص ۸۱)

"جب میرے بعد زنا کی کثرت ہوگی تو ناگہانی اموات بھی زیادہ ہو

جائیں گی"۔

شہید آیت اللہ سید عبدالحسین دستغیب لکھتے ہیں کہ میدان قیامت میں زنا کاروں کی شرمگاہ سے ایسی عفونت ہوگی اور بدبو اُٹھ رہی ہوگی کہ جس کی اذیت سے اہل محشر چیخ اُٹھیں گے بلکہ روایت کا ظاہر اس طرح ہے کہ ہر رذیل خصلت، بدخلقی اور کسی گناہ کی عادت اس خصلت اور گناہ سے مناسب شکل وصورت و ہیئت اپنے صاحب کا پتہ دے گی اور اس شکل وصورت کے ذریعے اہل محشر سمجھ جائیں گے کہ یہ شخص فلاں گناہ یا خصلت بد کا مرتکب ہوا کرتا تھا۔

(کتاب معاد ص ۱۴۴)

زنا کی حرمت کا فلسفہ

خداوند عالم نے زنا کو اس لیے حرام قرار دیا ہے تا کہ خاندانی نظام تباہی و بربادی سے محفوظ رہے والدین اور اولاد کا رشتہ بہم قائم رہے پدری، مادری اور بچوں کے درمیان رشتہ اور رابطہ ختم نہ ہونے پائے وہ اولاد جو ناجائز تعلقات سے وجود پاتی ہے وہ معاشرتی اُلفتوں سے محروم رہتی ہے، اجتماعی نقائص کا شکار ہوتی ہے اگر انسانی معاشرے سے قانونی اور شرعی ازدواجی کردار کو نکال دیا جائے تو پھر غیر مشخص اولاد اور بے ٹھکانہ بچے پیدا ہوں گے کہ جس کے نتیجے میں دوسری جہت سے اجتماعی جرم ہے کہ جس سے انسانی اقدار اور معاشرتی شرافت نابود ہو جاتی ہے اسی بنیاد پر اسلام نے زنا کے ساتھ ان علل واسباب کو بھی حرام قرار دیا ہے کہ جو انسان کو زنا کی جہنم خیز وادی کی طرف لے جاتے ہیں۔

☆ نامحرموں کا ایک دوسرے سے خلوت میں ملاقات کرنا۔

☆ کھلے عام عورتوں کی آرائش وزیبائش اور تجمل پرستی۔

☆ بغیر کسی دلیل کے پاک سیرت اور پاکباز عورتوں پر تہمت اور بدنام کرنا اس جرم کے لیے حدقذف (اسی کوڑوں کی سزا) ہے۔

زنا سے بچنے کے اسباب

☆ اسلام نے ایسی چیزوں کے بارے ''جن سے انسان زنا سے دور رہتا ہے'' کی ترغیب دی ہے۔

☆ مثلاً حالات ٹھیک نہیں اور شادی نہیں کر سکتے تو روزے رکھنے کی ترغیب دیں تا کہ شہوانی جوش کو روزہ کی سپر کے ساتھ کنٹرول کیا جا سکے۔

☆ حسب استطاعت نکاح کی تاکید اور ترغیب دی ہے۔

☆ نکاح کے راستے میں موانع اور رکاوٹوں کو دور کرنے کا حکم دیا کہ جب بچے جوان ہو جائیں تو جتنا جلدی ہو سکے ان کی شادی کر دیں۔

حق مہر کی زیادتی کو بھی مکروہ قرار دیا ہے تا کہ آرام اور آسانی کے ساتھ رشتہ زوجیت میں منسلک ہو سکے۔

☆ نکاح سے آپ کا رزق و روزی زیادہ ہوگی افلاس اور تنگدستی کے خوف کی ممانعت فرمائی ہے۔

☆ زنا کی لعنت سے معاشرہ کو پاک کرنے کے لیے سخت سزا کا اعلان کیا ہے تا کہ نکاح کا رواج ہو نسلوں کو محفوظ رکھا جا سکے اور اچھے اخلاقیات کے سائے میں اولاد پروان چڑھے۔

☆ زنا کی لعنت سے بچنے کے لیے نکاح موقت (متعہ) کا قانون وضع فرمایا۔

دنیا کی محبت انسان کے دل کو تاریک کر دیتی ہے

آخرت کو فراموش کرنا اور دنیوی محبت سے دل کو بھر لینے سے خدا کی محبت زائل ہو جاتی ہے کہ جس کی وجہ سے انسان کا دل تاریک ہو جاتا ہے چنانچہ وہ حق و حقیقت کی جانب گامزن نہیں ہوسکتا ارشاد پروردگار ہو رہا ہے۔ "ذٰلک بانھم استحبوا الحیاۃ الدنیا علی الآخرۃ وان اللہ لایھدی القوم الکافرین اولٰئک الذین طبع اللہ علی قلوبھم وسمعھم وابصارھم واولٰئک ھم الغافلون لاجرم انھم فی الآخرۃ ھم الخاسرون". (سورہ نحل آیۃ ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹)

(ترجمہ) "(اللہ کا عذاب اور خدا کا غضب) اس وجہ سے ہے کہ ان لوگوں نے دنیوی زندگی کو آخرت پر مقدم کیا اور اللہ ظالم اقوام کو ہرگز ہدایت نہیں دیتا یہی وہ لوگ ہیں کہ جن کے دلوں پر اور آنکھ، کان پر کفر کی چھاپ لگادی گئی ہے اور یہی وہ لوگ ہیں کہ جو درحقیقت حقائق سے غافل ہیں یہی لوگ یقیناً آخرت میں خسارہ اٹھانے والوں سے ہیں"۔

معرفت و شناخت کے ذرائع

اللہ تعالیٰ نے انسان کو گوناگوں نعمات اور فیوض و برکات سے نوازا ہے اللہ نے حقائق کے فہم و ادراک اور موجودات کی شناخت کے لیے آنکھ، کان اور عقل جیسے وسائل عطا فرمائے تاکہ احساسِ تشکر پیدا ہو اور ان عظیم نعمات کو عطا کرنے والے کی معرفت اور محبت حاصل ہو کان اور آنکھ خارجی دنیا سے پیغام وصول کر کے ہمارے ذہن اور فکر کی طرف منتقل کرتے ہیں تاکہ ہم عقل کی مدد سے تجزیہ و تحلیل کریں اور حقائق کا ادراک کریں۔ حقائق ہستی کی پہچان کے لیے اللہ نے یہ وسائل عطا فرمائے ہیں۔ استدلالات عقل کے ذریعے حاصل ہوتے ہیں جب کہ تجربات کا

ماخذ مشاہدات اور محسوسات ہیں اور ان کے ذریعے خدا تک پہنچا جاتا ہے۔ نمائندگان الٰہی کی باتیں سننا، کائنات میں موجود آثار اور نشانیوں کو دیکھنا اور خود انسان کا اپنے وجود بارے سوچنا..... انسان کے لیے عمل وآگاہی کو لاتا ہے اور یہی آگاہی انسان کو باقی موجودات سے ممتاز بنادیتی ہے۔

معرفت اور شناخت کے ذرائع موجود ہیں ان ذرائع سے استفادہ کرنا انسان کا کام ہے جو انسان ان ذرائع کو استعمال میں نہیں لاتا وہ عقل کا اندھا اور آنکھیں رکھنے کے باوجود بابینا ہے۔ بے معرفت لوگ ہی دل کے اندھے، کانوں سے بہرے اور زبان سے گونگے ہوتے ہیں۔

جہالت.....، کفر، شرک، غرور، تکبر، ہواپرستی اور ہٹ دھرمی جیسی صفات کا سبب ہے اور یہی چیزیں انسان کے دل پر مہریں ہیں جو انسان کو سوچنے اور سمجھنے کی صلاحیت سے محروم کردیتی ہیں۔

حضرت امام محمد باقر (علیہ السلام) فرماتے ہیں:

"من لم یدله خلق السماوات والارض، واختلاف اللیل والنهار، و دوران الفلک والشمس اولقمر والآیات العجیبات علی ان وراء ذلک امر اعظم منه، فهو فی الآخرة اعمی واضل سبیلا".

(تفسیر نورالثقلین جلد۳ ص۱۹۶)

"جس شخص کو زمین وآسمان کی خلقت، دن وراث کی آمدورفت، سورج، چاند اور ستاروں کی گردش اور اس کائنات کی عجیب وغریب نشانیاں.....، جو اس عالم کے ماوراء پوشیدہ راز کا پتہ بتاتی ہیں..... ان سب سے اگر وہ خدا کی معرفت حاصل نہیں کرپاتا تو پھر ایسا شخص آخرت میں اندھا ہوگا اور اس کے لیے بہت ہی بڑا گمراہی

کا راستہ ہے۔

دل کے احوال اور اقسام

دل کی کیفیات تبدیل ہوتی رہتی ہیں اور دل ہر وقت تبدیلی کے عمل سے گذرتا ہے دل کی کیفیات کے تناظر میں دل کی اقسام بیان کی جاتی ہیں۔

حضرت امام جعفر صادق (علیہ السلام) دل کی اقسام اور اس کی کیفیات کے متعلق فرماتے ہیں۔

"ان القلوب اربعة قلب فيه نفاق وايمان وقلب منكوس وقلب مطبوع وقلب ازهر اجرد فقلت ماالازهر؟ قال: فيه كهيئة السراج فاما المطبوع فقلب المنافق اما قلب الازهر فقلب المومن ان اعطاه شكرو ان ابتلاه صبر واما المنكوس فقلب المشرك ثم قراء هذه الاية افمن يمشي مكباً على وجهه اهدىٰ امن يمشي سوياً على صراط مستقيم فاما القلب الذى فيه ايمان ونفاق فهم قوم كانوا بالطائف فان ادرک احدهم اجله على نفاقه هلک وان ادرکه عن ايمانه نجى".

(اصول کافی جلد۴ کتاب ایمان وکفرص۱۵۶)

یادرکھیے! دل کی چار قسمیں اور حالات ہیں۔

۱۔ یادرکھیے! دل کی چار قسمیں اور حالات ہیں۔

۲۔ ایک دل وہ ہے کہ جس میں ایمان اور نفاق شامل ہوتا ہے۔

۳۔ وہ دل کہ جس پر مہر لگی ہوتی ہے۔

۴۔ وہ دل جو نہایت روشن اور پاک و پاکیزہ ہے۔

راوی نے امام (علیہ السلام) سے دریافت کیا: روشن اور تابناک کونسا دل

ہوتا ہے؟

امام (علیہ السلام) نے فرمایا: یہ وہ ہے کہ جو چراغ کی طرح روشن ہوتا ہے اور وہ دل جو مطبوع اور جس پر مہر لگی ہوئی ہوتی ہے وہ منافق کا دل ہے روشن اور تابناک دل، وہ مومن کا دل ہے کہ اگر خداوند عالم اسے کچھ عطا فرمائے تو شکرِ پروردگار انجام دیتا ہے اور اگر اس پر کوئی مصیبت اور آزمائش واقع ہو تو وہ صبر کرتا ہے مقلوب اور الٹا دل مشرک کا دل ہوتا ہے"۔

اس کے بعد امام (علیہ السلام) نے اس آیت کریمہ کی تلاوت فرمائی۔

"افمن یمشی مکبا علی وجهه اهدی امن یمشی سویاً علی صراط مستقیم".

(سورہ ملک آیۃ ۲۲)

"کیا وہ لوگ کہ جو الٹا راستہ طے کر رہے ہیں وہ سیدھے راستے پر ہیں یا وہ جو صراطِ مستقیم پر گامزن ہیں راہِ راست پر ہیں"!!

وہ دل جس میں ایمان و نفاق دونوں حالتیں موجود ہیں یہ وہ لوگ ہیں کبھی مومن اور کبھی منافق..... پس ان میں سے جو نفاق کی حالت میں اس دنیا سے رخصت ہوا تو وہ ہلاک ہو گیا اور جو ایمان کی حالت میں اللہ کو پیارا ہوا تو وہ کامیاب ہو گیا۔

گناہوں کا نتیجہ: گناہوں کے نتیجے میں دل کی پاکیزگی ختم ہو جاتی ہے اور دل ظلمت کدہ بن جاتا ہے گناہوں کی وجہ سے دل پر مہر لگ جاتی ہے اور اس پر گمراہی و ضلالت غالب آ جاتی ہے کثرت معاصی سے ہدایت کے چشمے نابود ہو جاتے ہیں ظاہر ہے جو ہدایت کے چشموں سے فیضیاب نہ ہو سکے وہ گمراہی، کفر و الحاد کی آلودگی میں

غرق ہو جاتا ہے بالآخر اس آلودگی کی وجہ سے اس سے پاک ہونے کی قابلیت و صلاحیت ختم ہوجاتی ہے جس طرح گناہوں سے دور رہنا دل کی طہارت کا موجب ہے اور گناہوں کے بارے بالکل نہ سوچنا پاکیزگی اور عصمت کا سبب ہوجاتا ہے اسی طرح گناہوں کی آلودگی سے دل نجس ہوجاتا ہے اور مسلسل گناہوں کی فکر میں رہنے سے انسان کے اندر سے نور ایمان جاتا رہتا ہے۔

پس دل کی نورانیت و پاکیزگی کے لیے ضروری ہے کہ انسان گناہوں سے دور رہے، دل کو خدا کی یاد سے آباد کرے۔ گناہوں کے خیالات وتصورات سے دل کی سرزمین کو خاردار وادی نہ بنائے۔

گناہوں کی وجہ سے سکون قلب ختم ہو جاتا ہے

زیادہ گناہوں کا ایک اثر یہ ہے کہ انسان بے سکونی کا شکار ہوجاتا ہے اس کا دل غیر مطمئن رہتا ہے۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ ہر انسان دنیا میں اطمینان کی تلاش میں ہے کوئی انسان بے سکونی اور بے آرامی کو پسند نہیں کرتا اس کی دلی تمنا ہوتی ہے کہ زندگی کے کچھ لمحات مختصر ہی سہی آرام وسکون کے ساتھ بسر ہوں کیونکہ رنج والم، دنیاوی پریشانیاں، مصائب والام انسان کی زندگی کو اجیرن بنا دیتے ہیں۔

خودکشی کا اقدام

یہی وجہ ہے کہ بعض افراد دنیاوی زندگی میں پیش آنیوالی مشکلات کا مقابلہ نہ کر سکنے کی وجہ سے خودکشی کر لیتے ہیں اور اس عمل سے راحت وآرام چاہتے ہیں۔ حالانکہ ایسا اقدام فطرت کے خلاف ہے خودکشی کے اقدام کو راحت جاننے والے کائناتی حقائق سے ناواقف ہوتے ہیں یا پھر غفلت کا شکار ہوتے ہیں اگر وہ خالق

کائنات پر ایمان رکھتا اور اسے یہ یقین ہو کہ مرجانے سے زندگی کا خاتمہ نہیں بلکہ ایک نئی زندگی کا آغاز ہوتا ہے تو پھر ایسا اقدام نہ کرتا اور خودکشی کو اپنے لیے آرام اور سکون کا ذریعہ قرار نہ دیتا۔

نتیجہ: پس ایک گناہ جو انسان سے سکون قلب کو چھین لیتا ہے وہ خالق سے غفلت ہے مرنے کے بعد کی زندگی سے غافل ہونا ہے اس وقت انسان کے پاس بظاہر ماڈرن زندگی کے تمام وسائل موجود ہیں مگر اس کے پاس اطمینان خاطر نہیں کیونکہ اطمینان خاطر دنیاوی آسائشوں سے نہیں بلکہ اللہ کی بندگی اور ذکر الہیٰ میں ہے دنیاوی وسائل سے جسمانی آرام تو مل سکتا ہے مگر اطمینان قلب واسطے پروردگار کی طرف رجوع کرنا ہوگا۔

یاد خدا سے غفلت..... گناہوں کی کثرت سے پیدا ہوتی ہے جس وجہ سے زندگی تلخ اور بے مقصد ہو جاتی ہے لہٰذا ہمارے لیے ضروری ہے کہ ہم اپنی جسمانی اور روحانی دونوں ضروریات کو پیش نظر رکھیں اور اپنی ابدی زندگی کے تکامل کی فکر کریں اور راہ تکامل کی منازل اطاعتِ پروردگار کے سایے میں طے کریں۔

ایسے امور جن سے اطمینان قلب ختم ہو جاتا ہے ان کے خاتمہ پر توجہ دی جائے۔

دنیا پرستی

جیسا کہ ہم پہلے بھی اس بات کی طرف اشارہ کر چکے ہیں کہ دنیا سے بے حساب اور غیر متوازن محبت دل سے اطمینان کو چھین لیتی ہے البتہ دنیا کی محبت سے مراد یہ ہے کہ انسان کا ہر کام دنیا کے لیے ہو جب کہ ہر عمل انسان کا اللہ کے لیے ہونا

چاہیے دنیا کا ہر عمل خدا سے قریب ہونے کے لیے انجام دے، دنیا کو اپنے لیے مقصد قرار نہ دے بلکہ اس کا مقصد اعلی ذات پروردگار ہو اور دنیا کو اللہ کی معرفت کا وسیلہ قرار دیا اگر ایسا ہوگا تو پھر پریشانیوں سے نجات ملے گی جبکہ اس کے برعکس ہوگا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد پاک ہے کہ

"الرغبة فی الدنیا تکثر الهم والحزن والزهد فی الدنیا یریح القلب والبدن".

(بحارالانوار ج ۷۳ ص ۱۲۰)

ترجمہ:۔ "دنیا سے محبت و رغبت حزن و ملال (غم و اندوہ) کی کثرت کا باعث بنتی ہے جب کہ دنیا سے بے توجہی جسم وروح کی تسکین کا سبب قرار پاتی ہے"۔

ایک حدیث میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ

"من تعلق قلبه بالدنیا تعلق منها بثلاث خصال هم لا یفنی وامل لا یدرک ورجاء لا ینال"

"جس کا دل دنیا سے وابستہ ہوگیا تو تین چیزوں کے ساتھ اس کا تعلق ایسا پیدا ہو جاتا ہے کہ اس سے چھٹکارا نہیں ہوسکتا"۔

۱۔ نہ مٹنے والا غم۔

۲۔ پوری نہ ہونے والی تمنا۔

۳۔ ایسی خواہش جو کبھی حاصل نہیں ہوسکتی۔

غریب اور امیر کا قصہ

مشہور ہے کہ ایک امیر اور غریب اکٹھے سفر کر رہے تھے امیر کے پاس کافی درہم و دینار تھے جب کہ غریب کے پاس دو کپڑوں کے علاوہ کچھ نہ تھا رات ہوگئی غریب کھانا کھا کر آرام وسکون کے ساتھ سو گیا جب کہ امیر نے ساری رات جاگ کر گزار دی کیونکہ خوف تھا کہیں مال چور آ کر ہتھیا نہ لیں لہٰذا علماء و دانشور کہتے ہیں:

''زیادہ مال و دولت انسان کے آرام وسکون کو چھین لیتا ہے اور دنیا کے ساتھ بے انتہا محبت انسان کو غافل بنا دیتی ہے''۔

جس طرح سانپ کی ظاہری خوش نما شکل انسان کو دھوکہ دیتی ہے جب کہ اس کے باطن میں زہر بھرا ہوتا ہے اور سانپ سے محبت کرنے والا ڈسا جاتا ہے اسی طرح دنیا کے ساتھ محبت کرنے والا بھی اپنی ابدی زندگی کو ضائع کر بیٹھتا ہے اور اسے خبر تک نہیں ہوتی۔

دنیا کی مثال: دنیا کی مثال سمندر کے کھارے پانی جیسی ہے کہ جس سے پیاس کبھی نہیں بجھتی اور دنیا ایسا سایہ ہے جسے کوئی حاصل نہ کر سکا، یہ ایسا سراب ہے کہ جس کا طالب اسے کبھی پا نہ سکا۔

ہماری اپنی زندگی اسی بات پر شاہد ہے کہ ہر ایک انسان نے کئی ایک ایسے واقعات دیکھے ہیں کہ جو دنیا کی محبت میں گرفتار رہے وہ دنیا تو حاصل نہ کر سکے لیکن اضطراب اور پریشانیوں نے ان کے دامن کو گھیر لیا جس کے نتیجے میں وہ ان جھوٹی خواہشات اور خیالی آرزوؤں میں ایسے الجھے رہے کہ دنیا کے ہزاروں غموں، آہوں کو اپنے دامن میں لیے اس جہان فانی سے حسرت و یاس کے عالم میں چلے گئے۔

دنیا کا ظاہر بہت دھوکہ دینے والا ہے لہٰذا انسان کو اس سے غافل نہیں رہنا چاہیے۔

دنیا پرستی کی پہلی آفت

دنیا پرستی کی سب سے بڑی آفت یہ ہے کہ انسان اطمینان نفس اور سکون خاطر سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔

ایک بادشاہ کا قصہ

گلستان شیخ سعدیؒ کے اندر ایک حکایت ہے کہ جس کا خلاصہ یہ ہے:

ایک بادشاہ جو زندگی کے آخری ایام گزار رہا تھا جب کہ جس کا کوئی قائم مقام نہ تھا اس نے اپنی وصیت میں کہا کہ کل صبح جو بھی سب سے پہلے دروازے پر آئے اسے میرا شاہانہ تاج پہنا کر اس ملک کی باگ ڈور اس کے حوالے کر دیں وہی شخص کل سے میرا جانشین اور مملکت کا بادشاہ ہوگا دوسرے دن سب سے پہلے دروازے پر گدا گر آیا وہ شخص جس نے اپنی زندگی فقر و فاقوں میں گزاری تھی جس کا لباس پھٹا پرانا تھا چونکہ درباریوں کو حکم تھا اور بادشاہ کی وصیت تھی لہٰذا اسے لایا گیا اور شاہی تاج پہنا دیا گیا اس درویش نے کچھ مدت ہی حکومت کی تھی کہ فتنوں کی آگ بھڑک اُٹھی روسائے دولت نے سرکشی و نافرمانی اور حکمرانوں نے مخالفت و بغاوت اور لشکر کشی کا آغاز کر دیا جس کے نتیجے میں ملک کا کچھ حصہ قبضے سے نکل گیا انہیں ایام میں اس کے فقیری کے زمانہ کے ساتھی نے جب اسے حالت شاہی میں دیکھا تو اس نے دیکھ کر اسے مبارک باد پیش کی اور کہا: ''خدا کا شکر ہے جس نے آپ کے اقبال کو بلند کیا وہ جو چاہے کر سکتا ہے وہ چاہے تو ذرے سے آفتاب بنا دے یہ

بات حقیقت ہے کہ "ان مع العسر یسرا" مشکل کے بعد ہی آسانی ہوتی ہے"۔

درویش بادشاہ کہ جس کے شب و روز بے سکونی میں گزر رہے تھے خستہ مالی اور بے دلی کی زندگی گزار رہا تھا کہ میرے اوپر شاہی تاج کا بوجھ رکھا گیا ہے اپنے فقیر دوست سے مخاطب ہو کر کہا: "اے میرے عزیز ساتھی! مجھے مبارک باد پیش نہ کریں بلکہ مجھے تعزیت دیں اس وقت جب آپ نے مجھے دیکھا تھا تو ایک روٹی کا مسئلہ تھا مگر اب پوری دنیا کی مشکلات میں گھرا ہوا ہوں۔

آپ نے دیکھا کہ دنیا کس طرح الجھنوں اور پریشانیوں میں مبتلا کر دیتی ہے۔

دنیا پرستی کی دوسری آفت

اس کی دوسری آفت یہ ہے انسان حسد کا شکار ہو جاتا ہے حاسد شخص کبھی آرام و سکون کی زندگی نہیں گزار سکتا وہ ہمیشہ بے آرامی کی کشمکش میں زندگی گزارتا ہے حضرت امیر المومنین علیہ السلام فرماتے ہیں کہ:

"الحسد داء عیاء لا یزول الا بھلاک الحاسد اوفوت المحسود"

(غرر الحکم ص ۷۹)

"حسد ایک ایسا لا علاج مرض ہے کہ جو حاسد یا محسود (جس کے متعلق حسد کیا جا رہا ہو) کی موت پر ختم ہوتا ہے"۔

ایک اور مقام پر امام علیہ السلام فرماتے ہیں کہ **"الحسود علیل ابدا"** حسد کرنے والا ہمیشہ بیمار رہتا ہے۔ یعنی سکون و چین کے ساتھ کبھی نہیں رہ پاتا۔

روحانی امراض کا جسمانی صحت پر اثر

روحانی پریشانیاں انسان کے نظام ہاضمہ پر بھی اثر کرتی ہیں نفسیاتی امراض بدنی امراض کا سبب بنتی ہیں حسد بھی نفسیاتی اور روحانی امراض میں سے ہے کہ جو انسان کی بدنی قوتوں کو بھی مفلوج کر دیتا ہے۔

حاسد کی خاصیت یہ ہے کہ وہ کبھی بھی دوسروں کو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے میں نہیں دیکھ سکتا ہمیشہ اس کی تمنا یہ رہتی ہے کہ کب اس سے وہ نعمتیں سلب ہوں حاسد کی طبیعت میں بے چینی اور اس کے دل میں آگ سی لگی رہتی ہے جس طرح سانپ کا ڈسا ہوا تڑپتا اور بلبلاتا رہتا ہے اسی طرح حاسد بھی دوسروں کی ترقی اور ان کے سکون پر بلبلا اُٹھتا ہے۔

پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) فرماتے ہیں کہ

"اقل الناس لذة الحسود"

(معانی الاخبار ص ۱۹۵)

"اس دنیا میں سب سے کم لذت اُٹھانے والا حاسد ہوتا ہے"۔

حسد بذات خود دنیا پرستی کے نتیجے میں پیدا ہوتا ہے۔

اللہ کے خالص بندوں کی مثالیں

دوسری طرف اللہ تعالیٰ کے پاک بندے اس دنیا کے دھوکے میں نہیں آتے اس سلسلے میں بے شمار نمونوں سے تاریخ بھری پڑی ہے ان میں سے چند ایک پر توجہ دلائی جاتی ہے۔

امیر المومنین علیہ السلام کے دور حکومت کا واقعہ

ابن عباس حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے متعلق اس زمانے کا ایک

واقعہ سناتے ہیں جس وقت آپ حکومت پر تھے۔

امام علیہ السلام تشریف فرما ہیں اور اپنے پھٹے پرانے جوتے کو پیوند لگا رہے ہیں جو کہ پہلے سے ہی پیوند لگا تھا۔

ابن عباس کہتا ہے جب میں نے امام علیہ السلام کو اس حالت میں دیکھا تو آپ کی خدمت میں عرض کی

"نحن الی ان تصلح امرنا احوج منا الی ما تصنع".

" ہمارے مسائل اور ضروریات اس کام سے کہیں زیادہ ہیں جو آپ کر رہے ہیں"۔

ابن عباس کہتے ہیں میں نے دیکھا امام علیہ السلام نے کوئی جواب نہیں دیا اور جب اپنے جوتے کو پیوند لگا چکے اس کے بعد اپنے دونوں جوتوں کو سیدھا کر کے میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا:

"ما قیمة هذا النعل؟ فقلت لا قیمة لها فقال علیه السلام والله لهی احب الی من امرتکم الا ان اقیم حقا او ادفع باطلا"

(نہج البلاغ خطبہ ۳۳)

"اے ابن عباس! اس جوتے کی کیا قیمت ہوگی میں نے عرض کی اس کی قیمت ہی نہیں ہے، یہ قیمت لگانے کے قابل ہی نہیں اس لیے کہ اس پر پیوند پہ پیوند لگے ہوئے ہیں آپؑ نے فرمایا خدا کی قسم میرے یہ بے قیمت جوتے تمہاری اس حکومت سے زیادہ قیمتی ہیں میں تو حکومت اس لیے کر رہا ہوں تا کہ ظالموں سے مظلوموں کا حق واپس دلا سکوں یا باطل کو مٹا سکوں"۔

حضرت امیر المومنینؑ کی اپنے بیٹے امام حسنؑ سے وصیت

نیز حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہما السلام نے اپنی ایک وصیت میں اپنے بیٹے حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کو فرماتے ہیں:

"یابنی اکثر من ذکر الموت، وذکر ما تھم علیه، و تفضی بعد الموت الیه، حتی یاتیک وقد اخذت منه حظک، و شددت له ازرک، ولا یاتیک بغتة فیبھرک. وایاک ان تعتر بما تریٰ من اخلاد اھل الدنیا الیھا و تکالبھم الیھا، فقد نباک الله عنھا، ولغت ھی لک عن نفسھا، و تکشفت لک عن مساویتھا، فانھا اھلھا کلاب عاویه، و سباع ضاریه، یھر بعضھا علی بعض، ویاکل عزیزھا ذلیلھا و یقھر کبیرھا صغیرھا نعم معقلة(مغفله) واخریٰ مھملة، وقد اضلت عقولھا ورکبت مجھولھا".

(نہج البلاغہ وصیت نمبر ۳۱)

مولیٰ امیر المومنین علیہ السلام کی یہ وصیت جنگ صفین کے بعد اپنے فرزند حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کو ارشاد فرمائی۔

آپؑ نے فرمایا:

اے میرے فرزند! موت کو برابر یاد کرتے رہنا اور ان حالات کو یاد کرتے رہنا کہ جن پر اچانک وارد ہونا ہے جہاں موت کے بعد پہنچنا ہے، کہ تم حفاظتی سرو سامان فراہم کر سکے ہو اور اس کے لیے اپنی قوت مضبوط کر چکے ہو اور وہ اچانک آ کر تم پر قبضہ نہ کرے اور تمہیں بے دست و پا کر دے، خبردار،!! دنیا داروں کی دنیا پرستی اور ان کو اس پر مرتے دیکھ کر تم دھوکہ میں نہ آجانا کہ پروردگار عالم تمہیں اس کے بارے میں بتا چکا ہے اور وہ خود بھی اپنی حالت زار کو بیان کر چکی ہے اس دنیا کے

گرویدہ بھونکنے والے کتے اور پھاڑ کھانے والے درندے ہیں جو آپس میں ایک دوسرے پر غراتے ہیں طاقتور کمزور کو نگل لیتا ہے اور بڑا چھوٹے کو کچل رہا ہے یہ سب جانور ہیں کچھ بندھے ہوئے ہیں اور کچھ آوارہ ہیں جنہوں نے اپنی عقلین کھودی ہیں اور نامعلوم راستے پر چل پڑے ہیں۔

دنیا ایک گذرگاہ ہے

مولیٰ نے اپنی وصیتوں میں واضح کر دیا کہ دنیا اور اہل دنیا کے دھوکے میں نہیں آنا لہٰذا دنیا منتھی اور مقصد نہیں بلکہ منتھی و مقصد تک جانے کے لیے ایک گزرگاہ ہے چنانچہ اپنے آپ کو موت کے لیے ہر وقت تیار رکھنا چاہیے کہ کسی وقت بھی موت کا نقارہ بج سکتا ہے اور موت انسان کے اوپر حملہ آور ہو سکتی ہے اپنے امور کو موت کے پیش نظر رکھتے ہوئے انجام دینا چاہیں۔

علاوہ ازیں اس وصیت میں امام علیہ السلام نے زندگی کا حقیقی فلسفہ دنیا اور اہل دنیا کے اوصاف کو واضح فرمایا ہے پس اگر کوئی عقل سلیم والا شخص ہو تو وہ زندگی کے ہر سانس کو موت کی طرف ایک قدم تصور کرتا ہے زندگی کا ہر دن بیت جانا اس بات پر دلیل ہے کہ ایک دن زندگی کا کم ہو گیا ہے اسی طرح روزانہ یہ دنیاوی سفر جاری اور سرگرم عمل ہے لہٰذا انسان کی حرکت جو کہ موت کی طرف روان دواں ہے اسے اپنے لیے سامان سفر تیار کرنے کی ضرورت ہے تا کہ کل پریشانی اور پشیمانی نہ ہو پس قافلہ انسانی کو باشرافت بنانے کے لیے نظریاتی زندگی ناگزیر ہے۔

انسان کو یہ بھی نہیں سوچنا چاہیے کہ اس کے بعد میرے اعمال کو کوئی دوسرا انجام دے گا اپنے ذمہ اعمال کو خود انجام دے اور یہ یقین رکھے کہ اسے اچانک موت آ سکتی ہے اور اسے بے دست و پا کر دے گی دنیا اور اس کی حرص و طمع انسان کو

فریب نہ دے اسے چاہیے کہ اپنے احوال اور اموال کے اُوپر نگاہ کرے وہ دیکھے کہ اس سے کیسے گزر رہے ہیں اور اموال کہاں سے آرہے ہیں اور کہاں پر جا رہے ہیں۔

اہل دنیا کے متعلق امامؑ نے یوں تمثیل بیان فرمائی۔

دنیا کے عاشق بھونکنے والے کتے اور پھاڑ کھانے والے درندے ہیں کہ جو آپس میں ایک دوسرے پر غراتے رہتے ہیں طاقتور کمزور کو نگلنے کے درپے ہوتا ہے جب کہ بڑا چھوٹے کو کچلنا چاہتا ہے اہل دنیا درحقیقت دنیا کے بندے اور اسے اپنا معبود سمجھتے ہیں اس سے آگے کی منزل سے وہ بالکل بے خبر ہوتے ہیں وہ یہ نہیں سوچتا کہ بالآخر ہم نے کل اللہ کے حضور بھی پیش ہونا ہے۔

مولیٰ کی وصیتیں درحقیقت آئیڈیل زندگی (Ideal Life) کا سرمایہ اور خزانہ ہیں۔

پس اگر سکون زندگی اور اطمینان خاطر چاہیے تو انسان کو دنیا پرستی کی زنجیروں سے چھٹکارا حاصل کرنا ہوگا۔

بحث کا نتیجہ: مختصر یہ کہ دنیا پرستی انسان کے اندر حرص و لالچ پیدا کرتی ہے کیونکہ دنیا پرستی کی وجہ سے انسان میں لامتناہی آرزوئیں آجاتی ہیں وہ مرنا تو کجا مرنے کا نام سننا بھی گوارا نہیں کرتا دنیاوی زندگی مین روز بروز اس کی آرزوئیں بڑھتی جاتی ہیں ہر خواہش کے اوپر اس کا دم نکلتا ہے مگر اپنے دم نکلنے کی فکر اسے اکساتی ہے چونکہ وہ اپنی خواہشات کی تکمیل کے لیے ہاتھ پاؤں مارتا ہے مگر نتیجہ برعکس نکلتا ہے اور اسی غم و غصے میں اپنی جان دے دیتا ہے پس دنیا پرستی اطمینان خاطر کو چھین لیتی ہے۔

دوسری طرف دنیا پرستی کے ساتھ حسد انسانی روح کو جلا دیتا ہے چونکہ حاسد دوسروں کے پاس موجود کسی بھی قسم کی نعمت کو نہیں دیکھ سکتا بلکہ اس کے زائل ہونے کی آرزو رکھتا ہے وہ جب بھی کبھی کسی دوسرے پر نعمت الہیٰ کا نزول دیکھتا ہے تو اس کے دل و دماغ پر ایک قسم کا آتش فشاں پہاڑ ٹوٹ پڑتا ہے لہٰذا اس سے واضح ہے کہ حاسد اللہ تعالیٰ کی تقسیم اور قضا وقدر پر غضبناک ہوتا ہے۔

حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام فرماتے ہیں کہ

"الحسود غضبان علی القدر"

"حسود (زیادہ حسد کرنے والا شخص) اللہ تعالیٰ کی قضا وقدر پر غضبناک ہوتا ہے"۔

حسد کا علاج: چنانچہ حسد کا علاج خدا کے فیصلہ پر راضی رہنے اور دوسروں کی نعمتوں کی بقاء چاہنے میں مضمر ہے حسد سے نجات کے لیے تقویٰ الہیٰ اختیار کرنا ہوگا اور دنیا کی محبت کو دل سے نکالنا ہوگا۔

بے دوا مرض: بہر کیف دنیا پرستی وہ درد ہے جس کا مداوا نہیں ہو سکتا اور ایسا روگ ہے جس کی دوا نہیں ایسی معصیت ہے کہ جو تمام برائیوں کی جڑ ہے لہٰذا اگر دنیا کے اندر آرام وسکون اور اطمینان نفس چاہیے تو پھر دنیا پرستی اور حسد جیسی موذی امراض سے جان چھڑانی ہوگی علاج کے ساتھ ساتھ دعا بھی کرے کہ خداوند عالم اسے حسد جیسی مہلک بیماری سے نجات عطا فرمائے حسد کیونکہ ایسی بیماری ہے کہ جس کے اثرات دوسروں پر بھی پڑتے ہیں یعنی حاسد کی فکری اور روحانی شعاعیں دوسروں کے اوپر بھی اثر کرتی ہیں تو اس کی منفی تاثیر سے بچنے کے لیے فرمایا گیا ہے کہ آپ

حاسدوں کے شر سے محفوظ رہنے کے لیے سورہ فلق اور سورہ ناس کی تلاوت کریں اور دوسرا یہ کہ ان کے فتنوں سے بچنے کے لیے صدقہ دیں صدقہ ستر بلاؤں کو ٹال دیتا ہے اور صدقات دینا منفی اثرات کے سامنے انسان کے لیے حصار بن جاتے ہیں۔

انسانی ضمیر و وجدان کا مذمتی کردار

اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر ایک ایسی قوت رکھی ہے کہ جب وہ کوئی غلط کام کرتا ہے تو وہ اندرونی قوت فوراً اس کی مذمت کرتی ہے۔ جب انسان کا ضمیر وجدان اسے ڈانٹ رہا ہوتا ہے تو اس وقت انسان اپنے اندر بے سکونی اور بے اطمینانی محسوس کرتا ہے۔

اطمینان خاظر کے مفقود ہونے کا دوسرا سبب ضمیر کی ملامت اور سرزنش ہے چنانچہ جب انسان اپنی حق تلفی کرتا ہے یا دوسروں کے حقوق کو پامال کرتا ہے نفس لوامہ حرکت میں آتا ہے اور اسے اس قدر سرزنش کرتا ہے کہ وہ بذات خود اپنے کیے پر نادم ہوتا ہے اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ ایک غیبی طاقت کی کس طرح انسان پر حکومت ہے۔ پس نفس لوامہ کے ذریعے گناہوں پر ندامت انسان کی بے چینی اور نا آرامی کا دوسرا سبب ہے البتہ یہ بے چینی مثبت اثرات کی حامل بن جاتی ہے اور انسان کو جگانے کا سبب بنتی ہے۔

چنانچہ حضرت امام علی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ

"من بغی کثرت غوائله و علاته ومن اعتدی لم تومن بوائقه ولم یسلم قلبه"

(تحف العقول ص ۲۲۱)

"جس کسی نے ظلم کا ارتکاب کیا تو اسے کثرت کے ساتھ سزا اور عقاب

بھگتنا ہوں گے جس نے دست درازی کی وہ برائیوں سے محفوظ نہیں رہ سکتا اور نہ ہی اس کا دل صحیح وسالم ہوتا ہے یعنی اس کا دل بے آرامی میں ہوتا ہے"۔

امام علیہ السلام نے ہدایت فرمادی کہ گناہ آرام وسکون چھین لیتے ہیں۔

برائی انسان کو کبھی سکون نہیں دیتی دوسروں پر ظلم وستم سے اطمینان خاطر چھن جاتا ہے اس لیے انسان کا ضمیر اسے ملامت کرتا ہے اور نفس لوامہ اسے مختلف نفسیاتی شکنجوں میں مبتلا کرتا ہے درحقیقت یہ نفسانی اور نفسیاتی حاکمیت ظاہری حاکمیت سے کہیں زیادہ شدید ہے چنانچہ اندرونی عدالت کا نظام انسان کو فطرت کی شاہراہ پر استوار کرنے کا ذریعہ بنتا ہے اسے اپنے گناہ سے باخبر بھی کرتا ہے اور پشیمان بھی کرتا ہے نفس لوامہ اور ضمیر، خود آگاہی اور اپنے آپ کو بیدار کرنے کا بہت بڑا ذریعہ ہے اگر انسان، نفس لوامہ کے سامنے میں اپنی غلطی کا اعتراف کرے تو وہ مزید گناہوں سے محفوظ رہ سکتا ہے نفس لوامہ کو ماہرین نفسیات ضمیر یا وجدان اخلاقی کے نام سے تعبیر کرتے ہیں۔

قرآن مجید میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے نفس لوامہ کی اہمیت کو اجاگر کرتے ہوئے قسم کھائی ہے۔

"لا اقسم بیوم القیامة ولااقسم بالنفس اللوامه"

(سورہ قیامت)

"مجھے قسم ہے روز آخرت کی اور اس نفس کی جو انسان کو سرزنش کرتا ہے"۔

نفس لوامہ درحقیقت اندرونی عدالت کا نام ہے جو انسان کو اس کی خطاؤں کی جانب توجہ دلاتا ہے البتہ یہ بات واضح رہے کہ نفس لوامہ کی فعالیت اور عمل سارے انسانوں میں یکساں نہیں بلکہ ایمان اور معرفت کے اعتبار سے اس میں

شدت اور ضعف ہوتا رہتا ہے یعنی جس کی فطرت پر گناہوں کا استمرار پردے ڈال دے اور ایمان و معرفت میں کمی آجائے تو ایسا انسان گناہوں پر نادم ہونے کے بجائے فخر و مباہات کرنے لگتا ہے (پناہ بذات خدا)

لہٰذا جس شخص کا ضمیر بیدار ہے وہ عارضی طور پر پریشان اور مضطرب ضرور ہوتا ہے مگر توبہ و استغفار کے ذریعے پھر سے وہ اطمینان قلب حاصل کر لیتا ہے۔

حضرت امام علی ابن ابی طالب علیہما السلام فرماتے ہیں کہ

"عباد الله من يطع الله يا من و يستبشر ومن يعصه و يخب ويندم ولا يسلم"

(تحف العقول ص ۴۸۹)

"اے بندگان خدا! بے شک جس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی وہ آسودہ خاطر ہوا اور خوش دلی کے ساتھ اللہ کی بشارت کے شامل حال ہوا جس نے اللہ تعالیٰ کی معصیت اور نافرمانی کی وہ نقصان، خسارے اور پشیمانی میں رہا، یقیناً وہ شخص کبھی آرام کی زندگی نہیں دیکھ سکتا"۔

گناہ کی وجہ سے پریشانی

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ گناہگار انسان اپنے گناہوں کے باعث نہ دن میں آرام پاتا ہے اور نہ رات میں چین کی نیند سوتا ہے البتہ وجدان اور ضمیر انسان کا اچھا راہنما وفادار ساتھی اور با انصاف گواہ ہے جو ہر انسان کو اس کے اعمال کی حقیقی صورت دکھاتا ہے ممکن ہے ہماری زبان حقیقت کے خلاف بولے یا ہماری حرکات و سکنات خلاف واقعیت ہوں۔ لیکن انسان کے لیے اس کا نفس لوامہ حقیقت شناس رہنما ہے جو انسان کو بتاتا ہے کہ دنیا کی ہوا و ہوس میں رہ کر اپنے آپ کو دھوکہ

نہ دو اس طرح اس کا ضمیر گناہوں کے ارتکاب پر اس سے احتجاج کرتا ہے اور اسے مضطرب اور پریشان حال بنا دیتا ہے۔

نفس لوامہ سے نفس امارہ

واضح رہے کہ جو نفس لوامہ کے اندرونی احتجاج کو اپنے گناہ میں اضافے سے دبا دیتے ہیں اور مسلسل گناہوں کے دلدل میں دھنسے چلے جاتے ہیں وہ نفس لوامہ کو نفس امارہ میں تبدیل کر دیتے ہیں جس کے نتیجے میں وہ گناہ کے بعد بھی نادم و پیشمان نہیں ہوتے بلکہ اکثر وہ گناہ کی قباحت کا احساس بھی نہیں کرتے چنانچہ اس دور کے بڑے بڑے مجرم اور ظالم حکمرانوں کا حال اسی قسم سے ہے جو اپنی ہوس کی خاطر آناً فاناً آبادیاں اُجاڑ دیتے ہیں اور اس بربادی پر نادم و پیشمان بھی نہیں ہوتے۔

مقصدِ حیات سے بے خبری

ایک اور چیز جو انسان سے اطمینان خاطر چھین لیتی ہے وہ صحیح عقائد و نظریات سے انحراف ہے جس شخص کے ہاں زندہ رہنے کا کوئی مقصد ہی نہ ہو وہ آرام وسکون کی زندگی نہیں گزار سکتا ایسے شخص کو اگر دنیا کا تمام مال و دولت اور سارے مقامات بھی دیے جائیں پھر بھی ایسے شخص کے اندر آرام کی امنگ نہیں آسکتی چونکہ جب اس کی کوئی بنیاد ہی نہیں ہے تو اس کے اوپر کسی عمارت کا استوار ہونا کیسے ممکن ہوگا؟

خلقت کائنات پر غور وفکر کرنا انسان کو اللہ کی وحدانیت کی طرف لے جاتا ہے البتہ جو شخص کائنات کو بے ہدف اور بے مقصد خیال کرتا ہے اس کے لیے زندگی کا کوئی مفہوم اور معنی نہیں جس کے نتیجے میں وہ حیران اور سرگرداں رہے گا بھلا ایسا

شخص آرام وسکون کہاں سے پائے جو اپنے وجود کو بے مقصد سمجھتا ہے اور جو اپنی موت کو زندگی کی آخری منزل سمجھتا ہے اگر ایسا شخص اچھا کام کرے تو کس بنا پر اور برائی سے بچے تو کیوں؟! لہٰذا اپنے آغاز وانجام کے مقصد کو نہ سمجھنے والا ہمیشہ مضطرب اور پریشان رہتا ہے اور وہ ہمیشہ نفسیاتی الجھنوں کے شکنجے میں جکڑا ہوا ہوتا ہے خصوصاً اس کی زندگی کا آخری حصہ اس کے لیے بہت ہی دردناک ہوتا ہے اس لیے کہ وہ آئندہ کے بارے میں سوچ رہا ہوتا ہے جو کہ اس کے خیال میں تاریک کنوئیں کی طرح ہے جس میں گرنے والا تباہ و برباد ہو جاتا ہے جب کہ ہر انسان فطری طور پر ہمیشہ باقی رہنا چاہتا ہے حب بقا انسان کی فطرت اور سرشت میں داخل ہے اور وہ عدم اور نیستی سے گھبراتا ہے یہی وجہ ہے کہ تباہی کے تصور سے بھی اسے خوف ہوتا ہے اب وہ شخص جو موت کو زندگی کا خاتمہ سمجھتا ہے اور موت کے بعد کی زندگی کا قائل ہی نہیں وہ آرام وسکون کی زندگی کیسے گزار سکتا ہے؟

خودکشی کی ایک اور وجہ

بعض لوگ خودکشی اس لیے کر لیتے ہیں کہ ان کے پاس زندہ رہنے کا کوئی مقصد نہیں ہوتا اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ بے مقصد زندگی میں بے چینی اور با مقصد زندگی میں سکون واطمینان ہوتا ہے جو شخص مقصد حیات کے سمجھنے سے قاصر ہے وہ مادہ پرست انسان ہوتا ہے جو دنیا میں عارضی اور زہر آلود لذتوں میں سکون و اطمینان کو تلاش کرتا ہے وہی بے خبر شخص ہے ایسا شخص آرام وسکون کو کبھی شراب و کباب میں ڈھونڈتا ہے تو کبھی نشہ آور چیزوں میں تلاش کرتا ہے لیکن آرام وسکون کے بجائے وہ مختلف قسم کی اذیتوں، دردوں اور ذہنی پریشانیوں میں مبتلاء ہو جاتا ہے جو اس کے لیے وبال جان بن جاتے ہیں اسے کیا خبر کہ آرام و اطمینان شراب و

کباب یا منشیات میں نہیں بلکہ اپنے رب کی یاد میں ہے جو دائمی و حقیقی ہے چنانچہ ارشاد ہورہا ہے۔

"الا بذکر اللہ تطمئن القلوب"

"آگاہ ہو جاؤ کہ اللہ کے ذکر سے ہی انسانی دلوں کو اطمینان ملتا ہے"۔

دنیا کی جھوٹی محبت انسان کے اندر آرام وسکون پیدا نہیں کرتی۔

گناہ فقر و فاقہ کا سبب اور نعمتوں کے زوال کا باعث بنتے ہیں

گناہوں کے مذموم اثرات میں سے ایک یہ ہے کہ گناہوں کی وجہ سے نعمتیں زائل ہو جاتی ہیں اور انسان فقروفاقہ میں گرفتار ہو جاتا ہے خداوند سبحان نے انسان کو بے پناہ نعمتوں سے نوازا ہے مگر گناہوں کی وجہ سے خدائی عطاء کردہ نعمتیں اُٹھ جاتی ہیں البتہ واضح رہے کہ بعض اوقات فقروفاقہ، تنگ دستی کسی مصلحت کی بنا پر ہوتی ہے اس چیز کا بندے کے گناہ کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہوتا ہے بلکہ بعض دفعہ یہی حالت اس کی بہترین تربیت کا ذریعہ بن جاتی ہے کیونکہ بلائیں اور مصیبتیں انسان کی بیداری اور اخلاقی تربیت کے لیے بہت موثر ہیں اور ایسی پریشانیاں اور مصیبتیں بذات خود نعمت شمار ہوتی ہیں۔

جبکہ بعض اوقات فقروفاقہ گناہوں کے نتیجہ میں ہوتا ہے انسان خدا کی طرف متوجہ نہیں اور اپنے پروردگار سے دور ہے گناہ پر گناہ کررہا ہے خداوند عالم اسے فقروفاقہ میں مبتلا کردیتا ہے لیکن دوسری طرف آزمائش کا پہلو بھی اس حالت میں ہوتا ہے جس قدر انسان خدا کے قریب ہوتا ہے خدا اسے آزمائش میں مبتلا کرتا ہے اس کے اوپر مختلف قسم کی سختیاں اور مصیبتیں آتی ہیں ان میں سے ایک فقروفاقہ بھی ہے۔

مومن کی مثال: چنانچہ حدیث میں آیا ہے حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام فرماتے ہیں

"المومن کفتی المیزان کلما زید فی ایمانه زید فی بلائه"

"مومن کی مثال ترازو کے دو پلڑوں جیسی ہے کہ جس قدر ایک مومن کا ایمان زیادہ ہوتا جاتا ہے اسی قدر اس پر بلاء اور مصیبت بھی زیادہ ہوتی جاتی ہے"۔

ہم اس چیز کو فقہا، مراجع عظام اور بزرگان دین کے حالات میں دیکھتے ہیں کہ وہ عظیم علمی اور معنوی مقامات کے حامل ہوتے ہوئے بھی مادی لحاظ سے کمزور نظر آتے ہیں چہ بسا یہی مادی جہت سے کمزوری ان کی روحانی ارتقاء کا باعث بنی ہو اس لیے کہ ان بزرگان نے اپنے دل و دماغ کو دنیا کے ساتھ نہیں جوڑا بلکہ انہوں نے اپنے افکار کو معنویات پر مرتکز کیا اور تصنیفات اور تالیفات، طلباء کی تربیت میں لگے رہے۔ اور مادی پریشانیوں کی پروا تک نہ کی بلکہ مادی بے حالی کو اللہ کی نعمت جانا۔

جس کے نتیجے مین مال وزر کے اعتبار سے تو کمزور ٹھہرے لیکن علمی و معنوی خزانوں کے مالک بن گئے آج ملت جعفریہ کے پاس جو بے بہا اور گراں قیمت علمی دولت ہے وہ انہی فقہا اور علماء کی کاوشوں کا نتیجہ ہے۔

اب یہ قوم وملت کا فریضہ ہے کہ ان کے اس گراں بہا علمی جواہر کی نگہبانی کرے اور ان کے تجربات سے فائدہ اُٹھائے

فقر و فاقہ اور خودسازی

بعض اوقات فقر و فاقہ خودسازی کا بہترین ذریعہ بن جاتا ہے تاہم چہ بسا

گناہ کی کثرت انسان کو فقر و فاقہ میں مبتلا کر دیتی ہے بندگان خالص کو اس لیے مصیبتیں آتی ہیں تا کہ ان کا تعلق اور رشتہ اللہ کے ساتھ مضبوط رہے اللہ انہیں متوسط زندگی عطا کر کے انہیں اپنے جوہر محبت سے نوازتا ہے۔

یہ بات ملحوظ رہے کہ اللہ اپنے کسی بندے کے اوپر کوئی سختی اور دباؤ نہیں چاہتا مگر دوسری طرف جس شخص کے اندر تقویٰ اور دینی اقدار نہیں ہیں اسے بے بہا نعمتیں دے کر سرکشی اور طغیانی کی راہ پر نہیں لگاتا یہی اس کی حکمت ہے کہ کچھ مدت تک اپنے بندے کو ان نعمتوں سے محروم رکھے تا کہ وہ معنوی کمالات کی جانب آگے بڑھ سکے۔

گناہوں اور فقر و تنگدستی کا باہمی تعلق

سوال:۔ گناہوں کا فقر و تنگدستی سے کیا تعلق ہے؟

جواب:۔ گناہوں کے نتیجے میں فقر و فاقہ تادیبی ردعمل ہے بعض اوقات خود گناہ کی کیفیت میں فقر و فاقہ موجود ہوتا ہے جس کے نتیجے میں وہ نعمتوں سے محروم ہو جاتا ہے۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ

"ان العبد لیذنب فیزول عنه الرزق" اصول کافی ج ۳ ص ۳۷۱

جب ایک بندہ گناہ کرتا ہے تو اللہ پاک اس سے رزق و روزی کو اُٹھا لیتا ہے۔

ایک اور حدیث کے اندر حضرت مولائے کائنات امیر المومنین علیہ السلام فرماتے ہیں کہ

"ما کان قوم قط فی غض نعمة من عیش فزال عنهم الا بالذنوب".

(نہج البلاغہ فیض ص ۵۷۰)

"خداوند عالم کسی قوم کے آرام و آسائش کو اس وقت تک نہیں لیتا جب تک وہ گناہ میں نہیں پڑتی لیکن گناہوں کی وجہ سے ان کی آسائشیں اور خوشحالی ان سے چھین لی جاتی ہے"۔

دعائے کمیل میں ہے کہ

"اللھم اغفرلی الذنوب التی تغیر النعم"

"میرے معبود، میرے ان گناہوں کو معاف کر دے کہ جن سے نعمتیں آفتوں میں بدل جاتی ہیں"۔

نعمتوں کو سلب کرنے والے گناہ

اب یہ کہ کون سے گناہ ہیں کہ جن سے نعمتیں سلب ہو جاتی ہیں اور انسان فقر و فاقہ کا شکار ہو جاتا ہے چنانچہ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام فرماتے ہیں کہ "الذنوب التی تغیر النعم: البغي علی الناس، والزوال عن العادة فی الخیر واصطناع المعروف، وکفران النعم وترک الشکر"

(معانی الاخبار ص ۲۷۰)

"وہ گناہ جو نعمتوں کو ضائع کر دیتے ہیں وہ یہ ہیں ۱۔لوگوں پر ظلم و زیادتی کرنا۔۲۔کار خیر کی عادت کو چھوڑ دینا۔۳۔کسی پر احسان و بھلا نہ کرنا ۴۔ کفران نعمت اور نعمتوں کا شکریہ ادا نہ کرنا ہے"۔

پس ظلم و ستم اور کفران نعمت نعمتوں کے زوال کا باعث ہے۔ اسی طرح احسان اور بھلائی کے کاموں کا ترک کر دینا بھی نعمتوں کے زوال کا سبب ہے۔

کفران نعمت

کفران نعمت سے نعمتیں زائل ہو جاتی ہیں اور انسان فقر و فاقے میں مبتلا ہو جاتا ہے چنانچہ ارشاد پروردگار ہے۔

"ضرب الله مثلا قرية كانت آمنة مطمئنة رزقها رغداً"

(سورہ نحل آیت ۱۱۲)

ترجمہ: اللہ نے اس قریہ کی بھی مثال بیان کی ہے کہ اس کی آبادی محفوظ اور مطمئن تھی اور اس کا رزق ہر طرف سے باقاعدہ آ رہا تھا مگر اس بستی کے رہنے والوں نے اللہ کی نعمتوں کا انکار کیا تو خدا نے انہیں بھوک اور خوف کا مزہ چکھا دیا۔

ایک بستی کی تباہی کا قصہ

خداوند عالم نے جس بستی کی مثال دی ہے وہ اللہ کی نعمتوں کے باشندوں سے بہرہ مند اور پر سکون تھی جس میں رزق و روزی کی فراوانی تھی مگر اس بستی کے باشندوں نے خدا کی نعمتوں کا انکار کیا جس کے نتیجے میں خدا نے انہیں بھوک و افلاس اور خوف و ہراس میں مبتلا کر دیا اور وہ بستی اجڑ گئی اور سب کچھ کفران نعمت کے سبب ہوا۔ کفران نعمت، درحقیقت انسانیت کی منزل سے گزر جانے کا نام ہے انسان اور جانور میں فرق یہی ہے کہ جانور نعمتیں کھاتا رہتا ہے مگر شکر بجا لانے سے قاصر ہوتا ہے جب کہ انسان کو اللہ نے یہ شرف عطا کیا ہے کہ وہ اپنی عقل سے استفادہ کرتے ہوئے مقام شکر پر آئے وہ انسان کہ جس میں شکر گزاری کا شعور ہے وہ جوہر عقل سے استفادہ کرتا ہے اس کا امتیاز اسی میں ہے کہ وہ عقل سے استفادہ کرتے ہوئے منعم حقیقی کا شکر بجا لائے اللہ تعالیٰ نے انسان کو بے پناہ نعمتوں سے نوازا ہے جب

انسان کفران نعمت کرتا ہے تو اللہ اسے خوف و ہراس اور بھوک و افلاس میں مبتلا کر دیتا ہے۔

البتہ یہ بات خیال خاطر رہے کہ کفران نعمت فقط کھانے پینے کی حد تک نہیں ہے بلکہ ہر نعمت کا غلط استعمال کفران نعمت کہلاتا ہے خواہ اس کا تعلق مادی چیزوں سے ہو یا علم جیسی معنوی چیزوں سے ہو بعض اوقات فرصتوں سے استفادہ نہ کرنا بھی اپنے اُوپر ظلم اور کفران نعمت ہے، اپنی محدود زندگی کے قیمتی لمحات کا ضائع کرنا، ایام جوانی کو غفلت اور لا پرواہی میں گزار دینا وغیرہ بھی کفران نعمت ہے۔

حضرت امام علی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ

"الفرص تمر مر السحاب"

"فرصتیں بادلوں کی طرح گزر جاتی ہیں"۔

اگر کسی نعمت کے ذریعے معصیت خدا کی طرف آگے بڑھا جائے تو وہ بھی کفران نعمت ہے مثلاً اللہ تعالیٰ نے رزق دیا ہے اگر اسے غلط جگہ یا کسی گناہ کے ارتکاب میں مصرف کر رہا ہے تو ایسا کرنا بھی کفران نعمت ہے یا عقل و فکر اللہ کی عطا کردہ نعمت ہے تو اسے راہ شیطان میں لگانا اور مکر و فریب کے لیے استعمال کرنا بھی کفران نعمت ہے۔

پس کفران نعمت اور ناشکری سے نعمتیں زائل ہو جاتی ہیں اور انسان فقر و فاقہ میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جو نعمتیں عطاء کی میں ان نعمتوں کو اللہ کی مرضی اور راہنمائی کے مطابق استعمال میں لانا شکر نعمت ہے جب کہ اللہ کی عطاء کردہ نعمتوں کو اللہ کی نافرمانی میں لگانا کفران نعمت ہے۔

ایثار و بخشش احسان اور نیکی کے راستے سے انحراف

ایک اور چیز جس بارے امام علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ انسان فقر و فاقہ میں مبتلا ہو جاتا ہے وہ راہ خیر سے انحراف اور نیکیوں کے راستے کو چھوڑ دیتا ہے چنانچہ وہ انسان جو انفاق نہیں کرتا اور ایثار و بخشش سے اجتناب کرتا ہے اس سے بھی اللہ پاک اپنی نعمتیں اُٹھا لیتا ہے جب کہ دوسری طرف راہ خدا میں جود و بخشش اور خدا کے بندوں پر احسان کرنا نعمتوں کی فراوانی کا ذریعہ ہے لہٰذا حضرت امام سجاد علیہ السلام نقل فرماتے ہیں کہ پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اپنے خطبہ کے آخر میں ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ

"طوبیٰ لمن طاب خلقه و طهرت سجيته و صلحت سريرته و حسنت علانيته وانفق الفضل من ماله و امسک الفضل من قوله وانصف الناس من نفسه"

(اصول کافی ج ۲ ص ۱۴۴) الحدیث روایات تربیتی ج ۱ ص ۲۷۰)

"خیر و سعادت اس شخص کے لیے ۔۱۔ جس کا اخلاق اچھا ہو۔۲۔ جس کا باطن پاک ہو۔۳۔ جس کا ظاہر قابل تحسین ہے ۔۴۔ جو اپنے اضافی مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کر دے۔ ۵۔ جو زیادہ گفتگو سے پرہیز کرے ۔۶۔ سب کے ساتھ عدل و انصاف کے ساتھ پیش آئے اور لوگوں کو اپنی طرف سے انصاف دے۔

بنابرایں خیر و سعادت کے حامل افراد اخلاق حسنہ اور پاک سیرت کے مالک ہوتے ہیں چنانچہ اگر کسی کے اندر اچھے اخلاق کا فقدان ہے خبث باطن رکھتا ہے تو یہ حالت بخل اور کنجوسی کا ذریعہ ہے اور اپنے اوپر ظلم و ستم ہے پس وہ شخص جو خیر و احسان اور بھلائی کرنے سے دور ہو اللہ تعالیٰ اپنی نعمتیں ایسے شخص سے اُٹھا لیتا ہے۔

حضرت امیر المومنین علیہ السلام فرماتے ہیں کہ

"ان اللہ عباد یختصھم اللہ بالنعم لمنافع العباد فیقرھا فی ایدیھم ما بذلوھا فاذا منعوھا نزعھا منھم ثم حولھا الی غیر ھم".

(الدلیل علی موضوعات نہج البلاغہ ص ۷۹ انقل از آثار گناہان ص ۲۴۳)

"خداوند عالم کے کچھ ایسے خاص بندے ہیں جن کا کام دوسروں کو فائدہ پہنچانا ہوتا ہے جس کے نتیجے میں پروردگار اپنی نعمتوں کو ان کے لیے قرار دیتا ہے اگر وہ ایثار و بخشش کرتے ہیں تو خداوند عالم ان پر اپنی نعمتوں کو باقی رکھتا ہے تاہم جب وہ ایثار و بخشش سے ہاتھ کھینچ لیتے ہیں تو اللہ وہ نعمتیں ان سے اُٹھا لیتا ہے اوران لوگوں کو عطا کرتا ہے جو ایثار و بخشش کرتے ہیں"۔

البتہ یہ بات واضح رہے کہ ایثار و بخشش اور راہ خدا میں انفاق کا دائرہ کار بہت وسیع ہے اس کا تعلق کبھی مال و دولت سے ہوتا ہے تو کبھی علم و معرفت سے اور کبھی عمل صالح سے اسکا تعلق ہوتا ہے چنانچہ انفاق فقط مال ہی سے نہیں بلکہ علم و معرفت اور دوسروں کو علم اور آگاہی سے ہمکنار کرنا بھی انفاق فی سبیل اللہ ہے، ہدایت دینا، راہ راست پر چلانا اور گمراہی سے بچانا بھی انفاق کا حصہ ہے پس اگر کسی کے پاس مال نہیں اور علم ہے تو وہ دوسروں کو تعلیم دے کر انفاق کرے اگر کوئی اچھا مفکر ہے تو وہ فکری انفاق کرے اگر خداوند عالم نے مال و دولت، علم و معرفت اور حکمت و دانش عطا فرمایا ہے تو ہر ایک نعمت کو ایثار و بخشش کے راستے میں خرچ کرے تو خداوند عالم اسے مزید اپنی نعمات اور توفیقات سے نوازتا ہے پس ہر ایک کا فریضہ ہے کہ وہ جس جس حد تک قوم و ملت کو فائدہ پہنچا سکتا ہے اس سے دریغ نہ کرے انفاق فی سبیل اللہ ہے لہٰذا کاروان خیر میں ہر شخص شامل ہوسکتا ہے دامے ہو یا سخنے

شامل ہو جائے اور جو جس جہت سے انفاق کرتا ہے اللہ اسے اسی جہت کے ساتھ نواز دیتا ہے علمی انفاق علم کی فراوانی کا ذریعہ ہے فکری انفاق افکار کے ارتقاء کا سبب ہے، مالی انفاق سے مال زیادہ ہوگا اور جاہ و مقام کے انفاق سے جاہ و ریاست بڑھے گی۔ اور اسے دوام ملے گا۔

بہر حال ہر شخص کی ذمہ داری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عطاء کردہ نعمتوں کو دوسروں پر خرچ کرے اللہ کی عطاء میں سے دوسروں پر بخشش کرنے میں کنجوسی نہ کرے۔

شراب وغنا

نعمتوں کے زوال میں ایک چیز شراب اور غنا ہے شراب و غنا شریعت مقدسہ میں حرام اور گناہ کبیرہ ہے جب کہ شراب کو خداوند عالم نے رجس قرار دیا ہے شراب وغنا دونوں فقر و فاقہ کا موجب اور اللہ کی نعمتوں کے زوال کا سبب ہیں۔

سورہ مبارکہ مائدہ میں ارشادہ فرمایا ہے کہ

"انما یرید الشیطان ان یوقع بینکم العداوۃ والبغضاء فی الخمر و المیسر"

(سورہ مائدہ آیت ۹۱)

"شیطان بس یہی چاہتا ہے کہ آپ کو شراب اور جوئے میں مبتلا کر کے آپ کے درمیان دشمنی اور کینہ کی آگ بھڑکائے"۔

شراب دراصل شیطانی ہتھیار ہے اور جوا و قمار بازی شیطانی آلات ہیں جو پیار و محبت اور انس و الفت کی فضا کو دشمنی و بغض میں بدل دیتے ہیں چنانچہ حسد، بخل اور کینہ کی آگ کو سینوں میں بھڑکا کر گھروں کو تاراج کرنے کا سبب ہیں لہٰذا بہت زیادہ تاکید کی گئی ہے کہ ایسی محفل میں نہ بیٹھیں جہاں شراب خواری ہو رہی ہو۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

"من جلس علی مائدۃٍ یشرب علیہ الخمر"

(بحار الانوار ج ۱۱ ص ۱۰۰، کتاب الحدیث ج ۲ ص ۴۰۲)

پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) فرماتے ہیں کہ وہ شخص رحمت خدا سے دور ہے جو ایسے دسترخوان پر بیٹھے جہاں پر شراب پی جائے۔

حضرت امام رضا علیہ السلام فرماتے ہیں کہ

"ان اللہ تبارک و تعالیٰ نھیٰ عن جمیع القمار و امرا العباد بالاجتناب منھا و سماھا رجسا فقال "رجس من عمل الشیطان فاجتنبوہ مثل اللعب بالشطرنج والنرد و غیر ھما من القمار والنرد اشرمن الشرنج"

(متدرک الوسائل ج۲ص۴۳۶)

"خداوند عالم نے تمام قسم کے جوئے اور قمار بازی کوحرام قرار دیا ہے اور لوگوں کو یہ حکم دیا کہ وہ اس سے اجتناب کریں اللہ تعالیٰ نے اسے رجس اور عمل شیطانی سے تعبیر کیا ہے لہٰذا اس سے اجتناب کریں شطرنج (کھیلنا اور اس کے آلات رکھنا بذات خود) قمار بازی اور شطرنج سے بدتر ہے"۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ

"یدخل فی المیسر اللعب بالشطرنج والنرد وغیر ذلک من انواع القمار".

(تفسیر مجمع البیان ج۳ص۲۳۹)

اسلام میں جوا بازی حرام ہے اس میں شطرنج اور نرد (مخصوص کھیل کا آلہ ہے) اور دوسرے تمام قسم کے جوئے شامل ہیں۔

نیز امام علیہ السلام نے آیۃ مبارکہ

"ولا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل"

کی تفسیر میں فرماتے ہیں "ذلک القمار" یعنی "ایک دوسرے کے مال کو باطل اور غیر مشروع طریقے سے نہ کھاؤ" کے ضمن میں فرماتے ہیں کہ وہ ناجائز مال قمار بازی سے حاصل شدہ مال ہے۔

(وسائل ج۴ص ۱۱۷)

ایک اور حدیث میں معصوم علیہ السلام فرماتے ہیں کہ

"لا تدخل الملائکة بیتا فیه خمر او دف او طنبور او نرد ولا یستجاب دعائهم و ترفع عنهم البرکة"

(ارشاد القلوب دیلمی ص۱۷۴)

خداوند عالم کے پاک ملائکہ اس گھر کے اندر داخل نہیں ہوتے جہاں پر شراب اور قمار بازی کے آلات یا موسیقی کا ساز وسامان ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس گھر کے رہنے والوں کی دعاؤں کو قبول نہیں کرتا اور اس گھر پر سے اپنی برکتیں اُٹھا لیتا ہے۔

بحث کا نتیجہ: پس ان روایات کی روشنی میں یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ شراب و غنا، جوا بازی اور لہو ولعب کے آلات نعمتوں کے زوال کا باعث بنتے ہیں، انسان معنوی اعتبار سے بالکل تباہ ہو جاتا ہے تاہم دوسری جہت سے ان سے کئی قسم کی مادی اور موذی امراض بھی پیدا ہوتی ہیں کئی قسم کی نفسیاتی بیماریاں وجود میں آتی ہیں انسان فکری لحاظ سے بہت خطرناک امراض کا شکار ہو جاتا ہے ٹینشن، فشار خون "بلڈ پریشر" اور دیگر نفسیاتی بیماریوں میں مبتلا ہو جاتا ہے جسمانی اعتبار سے اس کی جلد خراب، بدن میں رعشہ اور قوت مدافعت ختم ہو جاتی ہے۔

بنا برایں شراب، غنا اور دیگر اس قسم کے مفاسد جسمانی و روحانی اور نفسیاتی اعتبار سے انسان کو بالکل تباہ و برباد کر دیتے ہیں پس خداوند عالم سے دعا کرنی چاہیے کہ وہ ان محرمات سے ہمیں محفوظ فرمائے اور ہمارے اعمال میں اخلاص نصیب فرمائے۔

ناپ تول میں کمی

نعمتوں کے زوال اور نابودی کا ایک سبب ناپ تول میں کمی کرنا ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ

"ان فیکم خصلتین ھلک بھما من قبلکم من الامم قالوا وما ھما؟ قال المکیال و المیزان"

(وسائل الشیعہ ج ۱۲ ص ۶۹۱ حدیث ۷)

آپ کے درمیان دو ایسی خصلتیں موجود ہیں کہ جن کی وجہ سے گزشتہ امتیں بھی ہلاک ہوئیں امامؑ سے دریافت کیا گیا فرزند رسولؐ دو خصلتیں کیا ہیں؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: وہ ناپ اور تول (میں کمی) ہے۔

چنانچہ اگر ناپ تول میں کمی کی جائے تو یہ تباہی کا باعث اور نعمتوں کے زوال کا باعث ہے اور دوسری جہت سے ناپ تول میں کمی خیانت کے زمرے میں آتی ہے تاہم ہرگز یہ تصور نہ کرے کہ میزان (ناپ تول) میں کمی کر کے راتوں رات امیر بن جائے گا بلکہ غربت کے بادل اس کے دل و دماغ پہ منڈلاتے ہی رہتے ہیں ایسا شخص کبھی سکون کی زندگی نہیں گزار سکتا لہٰذا پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ

"الامانة تجلب الغنیٰ والخیانة تجلب الفقر"

"امانت داری مال و دولت کی فراوانی کا سبب ہے جب کہ خیانت فقر و فاقہ کا پیش خیمہ بنتی ہے"۔

ظاہر ہے ناپ تول میں کمی خیانت ہی کی ایک قسم ہے۔

ناپ تول کی عمومیت

البتہ ایک چیز ملحوظ خاطر رکھنا چاہیے کہ ناپ اور تول فقط سودا سلف اور خرید و فروخت میں ہی نہیں ہے بلکہ حقیقت امر کے اظہار کو بھی شامل ہے حقائق اسلام کے بیان کرنے میں بھی اس کا تعلق ہے یہ بات عوام کے لیے فقط نہیں بلکہ واعظین، مقررین اور مبلغین کا حقائق بیان کرنے میں افراط اور تفریط سے کام لینا اسی ناپ تول کے زمرے میں آتا ہے، احکام الٰہی کو صحیح بیان نہ کرنا بھی ایسے ہی ہے جیسے ناپ تول میں کمی کرنا، اس سے بھی نعمتیں زائل ہو جاتی ہیں۔

علاوہ ازیں ایسا کرنا مشن مقدس کی ذمہ داری اور امانت داری کے خلاف ہے لہٰذا امانت داری کا مفہوم بہت وسیع ہے۔

بعض اوقات جیسا کہ حدیث میں ہے کہ "المجالس امانة" مجلس اور آپس کی گفتگو بھی امانت کی حیثیت رکھتی ہے۔ درست واجبات کی محفل میں کی گئی گفتگو کا بھی پاس رکھیں یہاں کی بات وہاں نہ لگائیں چونکہ اس کی مثال بھی آگ کی چنگاری جیسی ہے کہ جو ایک جگہ سے دوسری جگہ لگائی جاتی ہے۔

چغلی کا اثر

چغلی بھی آگ کی چنگاری ہے کہ عام آگ، گھروں کو تباہ کرتی ہے مگر چغلی کی آگ گھرانوں کو برباد کرتی ہے لہٰذا محفلوں کا بھرم رکھنا بھی امانت داری سے ہے اور اگر کوئی شخص مجالس اور دوستوں کی محفل کے آداب کو ملحوظ خاطر نہ رکھے اور دوسروں کے اذہان میں شریک مجلس افراد کے متعلق شکوک وشہادت پیدا کرتا ہے اور احباب کی آپس میں گفتگو کو اچھالتا ہے تو یہ امانت داری کے خلاف ہے لہٰذا امانت داری اور

ناپ تول مال واسباب کی حد تک موقوف نہیں بلکہ یہ گفتگو اور محافل کو بھی شامل ہے۔

فضول خرچی

وہ گناہ جن سے نعمتیں زائل ہوتی ہیں ان میں سے ایک اسراف اور فضول خرچی سے خداوند عالم نے انسان کو بے پناہ نعمتوں سے نوازا ہے لیکن دوسری طرف نعمتوں میں حدو حدود اور قید و قیود بھی قرار دی ہیں کھانے پینے، پہننے اور دیگر وسائل زندگی سے جی بھر کر استفادہ کرے مگر استعمال میں اسراف سے کام نہ لے قرآن نے واضح طور پر فرمایا ہے کہ

"کلوا واشربوا ولا تسرفوا انه لا یحب المسرفین".

(سورہ مبارکہ انعام آیت ۱۴۱)

"کھائیں اور پئیں مگر اسراف نہ کریں اللہ تعالیٰ فضول خرچی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا"۔

پس اسلام میں کھانے پینے کی ممانعت نہیں بلکہ اسراف کی ممانعت ہے، اب اس دور کی سب سے بڑی بدبختی یہ ہے کہ دنیا میں بے پناہ اللہ کی نعمتوں کو ایک طرف تو ضائع کیا جا رہا ہے جب کہ دوسری طرف نعمتوں پر ڈاکہ ڈال کر لوگوں کو محروم کیا جا رہا ہے دنیا کی اکثریت اسراف کے جرم کا شکار ہے جب کہ محرومیت میں زندگی گزارنے والے غربت سے دوچار ہیں کہ انہیں آٹھ پہر میں ایک وقت کا کھانا نصیب نہیں ہوتا، درحقیقت اگر نعمتوں میں اسراف نہ ہو تو دنیا کے اندر کوئی غریب اور فاقوں میں زندگی نہیں گزارے گا چنانچہ کھانے پینے سے لے کر معاشی وسائل تک سب میں بڑا فساد کا ذریعہ اسراف اور فضول خرچی ہے یہی فضول خرچی ہے کہ جو طبقہ بندی اور طبقاتی نظام کا ذریعہ بنتی ہے۔

پانی کا اسراف

ایک آدمی نہر کے کنارے وضو کر رہا تھا اور پانی ضائع کر رہا تھا ایسے میں پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اس پر نگاہ پڑی آپؐ نے فرمایا پانی کا اسراف نہ کریں اس شخص نے حیران ہو کر پوچھا نہر کے کنارے بھی پانی کا اسراف ہو سکتا ہے۔

آپؐ نے فرمایا:

''نہر کے کنارے پر بھی پانی ضائع کرنے سے اسراف ہوتا ہے''۔

لہٰذا اسلام نے حدود معین کی ہیں ان حدود و قیود میں رہتے ہوئے اللہ کی نعمتوں کو استعمال کیا جائے، ہمارے ہاں روزمرہ کے استعمال کی چیزوں میں اس کا خیال نہیں کیا جاتا مثلاً لائٹ، پانی، بجلی وغیرہ پس خداوند عالم سے دعا کرنی چاہیے کہ وہ ہمارا شمار صالحین میں سے فرمائے اور مسرفین سے ہمیں نہ بنائے۔

اسراف کا وسیع معنی

اسراف کا عنوان بھی وسیع ہے گفتگو ضرورت سے زیادہ بھی اسراف ہے خوردنی اشیاء کا ضرورت سے زیادہ استعمال اسراف ہے، پہننے کی اشیاء میں اسراف، غرض زندگی کے تمام امور میں اعتدال اور میانہ روی کا حکم ہے، کھانے پینے، پہننے، رہنے زندگی کے سب امور میں اعتدال کا حکم ہے۔

اسراف کے نتیجہ میں فقر وفاقہ کا رواج پانا اور اسراف کرنے والے کا فقروفاقہ میں مبتلا ہونا یقینی امر ہے اسکو ہر ایک آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔خداوند عالم نے اسراف کرنے والوں کو شیاطین کا بھائی کہہ کر اس جرم کی قباحت کی طرف اشارہ

فرمایا ہے۔

خواہشاتِ نفسانی کی پیروی

نعمتوں کے زوال کا ایک سبب خواہشات نفسانی کی پیروی ہے۔

حدیث قدسی میں وارد ہے کہ

"یاموسیٰ قل لبنی اسرائیل لا تبطرنکم النعمة فیعا جلکم السلب ولا تغفلوا عن الشکر فیقا رعکم الذل"

(سخن خدا صفحہ ۳۹۰)

"اے موسیٰ! بنی اسرائیل سے کہہ دیجئے کہ وہ خواہشات نفسانی کی پیروی نہ کریں ورنہ ان سے نعمتیں اُٹھالی جائیں گی اور میری یاد سے غافل نہ رہیں وگرنہ ان سے نعمتیں سلب کرلی جائیں گی"۔

حدیث نے واضح طور پر بتادیا ہے کہ جو شخص یاد خدا سے غافل رہتا ہے اور خواہشات نفسانی کی پیروی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے نعمتیں اُٹھالیتا ہے۔

اسی طرح دیگر روایات میں بھی اسی امر کی جانب اشارہ کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ گناہوں کے نتیجے میں رزق و روزی کو تنگ کر دیتا ہے۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ "جب بندہ گناہ کرتا ہے اللہ پاک اس کی روزی تنگ کر دیتا ہے"۔

نیز حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے بھی اسی مضمون کی روایت منقول ہے۔

"ان الذنب یحرم العبد الرزق"

(اخلاق دینی در اندیشہ شیعی ص ۲۳۶)

''گناہ بندے کو رزق و روزی سے محروم کر دیتے ہیں''۔

جو انسان گناہوں کے برے اثرات کو سمجھ جائے تو وہ ان سے اجتناب کی تدبیریں ہی اس کے لئے سوچ سکتا ہے گناہ دراصل انسان کو قرب خداوندی سے دور اور دنیا و آخرت میں عذاب کا باعث بنتے ہیں۔

گناہگاروں کے پاس مال و دولت کی فراوانی

اب یہاں یہ بات ذہن میں آتی ہے کہ گناہوں کے ارتکاب سے انسان فقر و فاقہ میں مبتلا ہو جاتا ہے جب کہ ہم دوسری طرف یہ دیکھتے ہیں کہ کئی گناہگار ایسے ہیں جن کے پاس بے تحاشا مال اور وسائل زندگی یعنی ان لوگوں کی زندگی بہت آرام و سکون کے ساتھ گزر رہی ہے اس شبہہ کو کیسے حل کیا جائے؟ جب کہ علماء و فقہا کے متعلق تو کہا جا سکتا ہے کہ فقر و فاقہ ان کے لیے آزمائش ہے مگر فاسق و فاجر اور جابر و ظالم کے متعلق کیا توجیہ کی جا سکتی ہے؟

اس سوال کا جواب کئی جہت سے دیا جا سکتا ہے۔

پہلی بات یہ ہے کہ جتنے گناہگار آپ کی نظروں کے سامنے ہوتے ہیں ان سب کی زندگی آسودہ خاطر نہیں ہوتی بلکہ بہت زیادہ ایسے ہیں جن کہ زندگی بڑی سختیوں اور اقتصادی بحران کا شکار ہوتی ہے۔

جس کا ہو کسی کے سامنے اظہار نہیں کرتے۔ اندر ہی اندر پریشانی اور مصیبت میں گرفتار ہوتے ہیں سب نعمات کے ہوتے ہوئے بے سکونی جیسی بیماری میں مبتلا ہوتے ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ بعض گناہ بذات خود ایسے ہیں کہ جس کی وجہ سے انسان فقر و فاقہ میں مبتلا ہوتا ہے اگر وہ ان مخصوص گناہوں کا ارتکاب نہ کرے تو فقر و تنگدستی میں گرفتار نہیں ہوگا۔

تیسری بات یہ ہے کہ بعض لوگوں میں کچھ ایسی جزوی خوبیاں ہوتی ہیں کہ جن کی وجہ سے وہ فقر و تنگدستی میں مبتلا نہیں ہوتے فرض کیجئے اگر وہ ایک جہت سے فاسق ہیں تو دوسری جہت میں وہ بہت صلہ رحم کرنے والے ہیں والدین، دوسرے عزیز و اقارب اور دوست و احباب کے ساتھ بہت مہربان ہیں۔

چنانچہ جس طرح روایات کے اندر موجود ہے صلہ رحم کرنے والے کی زندگی طولانی ہوتی ہے اور اس کے رزق و روزی میں بھی اضافہ ہوتا ہے اگرچہ وہ ذاتی اور فردی اعتبار سے بہت بُرا شخص ہے مگر اجتماعی اور معاشرتی اعتبار سے اس کے اندر خوبیاں ہیں خداوند عالم اس کی ان اجتماعی خوبیوں کی وجہ سے اسے دنیاوی آسودگی عطا کر دیتا ہے اور اس کی فردی اور ذاتی خامیوں اور گناہوں کی سزا موت کے بعد اسے دی جائے گی۔

کافر کو بھی نیکی کا بدلہ دیا جاتا ہے

چوتھی بات جیسا کہ حدیث قدسی میں بھی ہے جو دنیا کے اندر نیک کام کرتے ہیں خداوند عالم انہیں نعمتوں سے نوازتا ہے خواہ وہ مسلمان ہے یا کافر چنانچہ حدیث قدسی میں ارشاد فرمایا کہ

"و عزتی و جلالی لا اخرج عبدا من الدنیا و انا ارید ان اعذبه حتی اوفیه کل حسنة عملها اما بسعة فی رزقه و اما بصحة فی جسمه و اما بامن فی الدنیا فان بقیت علیه بقیة هو نت علیه بها الموت".

(اصول کافی ج۴ ص۱۸۸)

مجھے اپنی عزت و جلال کی قسم! میں اپنے بندے کو اس وقت تک عذاب نہیں کرتا اور نہ ہی اسے دنیا میں اُٹھاتا ہوں جب تک اسکے اس کے نیک عمل کی پاداش

اور اجر نہ دے دوں چنانچہ اس کا اجر بعض اوقات صحت و تندرستی یا رزق و روزی کی فراوانی یا دنیا کے اندر امن و امان کی صورت میں عطا کر دیا جاتا ہے علاوہ ازیں اگر کوئی نیکی باقی بچ گئی ہو تو وہ حالت احتضار (حالت جانکنی) میں اس کی روح کو آسانی کے ساتھ قبض کر کے اس دنیا کے اندر ہی اس کے اجر و ثواب کا حساب چکا دیا جاتا ہے۔ (تا کہ آخرت میں اس کے لیے کچھ نہ بچے وہاں اسے اپنے جرائم کی سزا بھگتنا ہوگی)

پس جو کوئی اس دنیا کے اندر نیکی کرتا ہے وہ نیکی کا بدلہ مذکورہ دنیاوی آسودگی کی صورتوں میں حاصل کر لیتا ہے۔

پانچویں چیز ممکن ہے گناہگاروں کے پاس غیر مشروع اور نا جائز طریقوں سے ماخوذ مال و دولت ہو مثلاً لوٹ مار، ہیروئن اور نشیات اور دیگر ناجائز طریقوں سے حاصل شدہ مال ہو چنانچہ ظاہر میں بہت مال و دولت نظر آ رہی ہے مگر اس کے باطن میں آگ بھری ہوتی ہے ایسا شخص ظاہراً بہت امیر لگتا ہے مگر معنوی لحاظ سے بہت فقیر ہوتا ہے علاوہ ازیں اس کی ان غلط حرکات کے نتیجہ میں اس کے فقر و فاقہ کے اثرات کئی نسلوں تک بھی جا سکتے ہیں۔

توبہ و استغفار کا راستہ

البتہ خداوند عالم کے ہاں توبہ و استغفار کے دروازے بہر کیف کھلے ہیں لہٰذا سچے دل کے ساتھ توبہ کر لے اور جس جس کا مال بٹورا ہے اسے واپس کر دے خداوند عالم اسے معاف کر دے گا۔

خدائی تدبیر

چھٹی چیز یہ ہے کہ یہ لوگ درحقیقت خدائی تدبیر کے محاصرے میں آچکے ہیں لہٰذا خداوند عالم انہیں بہت زیادہ مال و دولت سے نواز کر دردناک عذاب میں گرفتار کرنا چاہتا ہے اس کی مثال ایسے ہی ہے کہ جس طرح ایک انسان درخت کے اوپر چڑھتا جا رہا ہے دیکھنے والے یہ محسوس کرتے ہیں کہ وہ بہت بلندی پر جا رہا ہے مگر جب وہ اتنی بلندی سے گرتا ہے تو اتنی ہی خطرناک تباہی مول لے لیتا ہے چنانچہ بعض اوقات اللہ پاک زیادہ مال و دولت دے کر بھی زیادہ عذاب میں مبتلا کرتا ہے اس قسم کے افراد کے لیے لوگ کہتے رہتے ہیں کہ اس پر بڑا فضل ہو رہا ہے لیکن حقیقت حال اسکے برعکس ہوتی ہے وہ لوگ الٰہی تدبیر کے محاصرے میں ہیں کہ ان کے لیے کوئی راہ فرار نہیں ہے ایسے لوگ اس دنیا میں بھی گرفتار ہیں اور آخرت میں بھی عذاب میں ہوں گے بس یہ ہے کہ خدا کی لاٹھی بے آواز ہے ارشاد پروردگار ہوتا ہے کہ

"ان ربک لبالمر صاد"

(سورہ فجر آیت نمبر ۱۴)

"اللہ پاک انہیں گھیرے ہوئے ہے (اللہ انکی تاک میں ہے)"

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام ایک حدیث میں فرماتے ہیں کہ

"واذا اراد بعبد شراً فاذنب اتبعه بنعمة نسية لاستغفار"

(بحارالانوار ج ۷۳ طبع ایران ص ۳۸۷ واصول کافی ج ۴ ص ۱۸۸)

جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو اس کے گناہ کی سزا دینا چاہتا ہے تو اسے ایک نئی نعمت دے دیتا ہے جس سے اس پر بھول طاری ہو جاتی ہے اور وہ معافی نہیں

مانگ سکتا۔

بنا برایں اس سے بڑھ کر کیا عذاب ہوسکتا ہے کہ انسان کو توبہ واستغفار کی توفیق سے محروم کر دیا جائے پس کئی لوگ بلکہ اکثر جرائم پیشہ تدبیر الٰہی میں گرفتار ہیں کہ یک دم ان کا زوال ان کو حیران و پریشان کر دیتا ہے۔

ایک شبہہ کا ازالہ

البتہ یہاں پر ایک شبہہ کا ازالہ ضروری ہے وہ یہ کہ جسے اللہ تعالیٰ نعمتیں عطا کرتا ہے کیا وہ شخص تدبیر الٰہی میں گرفتار ہے؟

ہرگز ایسا نہیں بلکہ تدبیر الٰہی کے محاصرے میں وہ ہیں جو فسق و فجور میں گرفتار ہیں جن کے دلوں میں اللہ کی یاد نہیں ہے پس جس دل میں اللہ پاک کی یاد موجود ہے اور وہ نعمتوں پر شاکر ہے وہ درحقیقت خدا کی عطا میں شامل ہے اور ایسا شخص پروردگار کی توفیقات کے زمرے میں ہے جو شخص مال کو خدا کے راستے میں خرچ کر رہا ہے غریبوں اور محتاجوں کی مدد کر رہا ہے تو درحقیقت یہ توفیق الٰہی ہے جب کہ دوسری طرف سے اگر کوئی شخص نعمتوں کی فراوانی پر گناہ پر گناہ کر رہا ہے تو سمجھ جایئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی تدبیر کے محاصرے میں آچکا ہے چنانچہ کسی وقت بھی اس پر عذاب ٹوٹ سکتا ہے۔

ایک مومن شاکر کی پریشانی

اسی ضمن میں ایک دفعہ ایک شخص حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی میں نے پروردگار عالم سے مال کا تقاضا کیا اس نے مجھے مال دیا پھر میں نے اولاد کی التجاء کی اللہ تعالیٰ نے میرے اوپر فضل کیا مجھے اولاد

عطا فرمائی پھر میں نے مکان کی درخواست کی اللہ تعالیٰ نے وہ بھی میری مراد پوری کی اب مجھے یہ خوف آتا ہے کہ کہیں میں اللہ تعالیٰ کی تدبیر میں تو نہیں آچکا ہوں؟

امام علیہ السلام نے فرمایا کہ

"واللہ مع الحمد فلا"

اگر ان نعمتوں کے مقابل میں تم شکر گزار ہو تو اللہ کی تدبیر میں گرفتار نہیں ہو اور اگر اللہ کی نعمتوں پر شاکر نہیں ہو تو پھر آپ تدبیر الٰہی کے محاصرے میں ہو۔

ہر صورت حال کو دیکھنے اور سمجھنے کی ضرورت ہے کہ گناہ بذات خود فقر و فاقے میں مبتلا کرتے ہیں اور نعمتوں کے زوال کا باعث بنتے ہیں لہٰذا ضروری ہے کہ نعمتوں میں اسراف نہ کیا جائے ناپ تول اور میزان میں کمی نہ کی جائے خواہشات نفسانی سے اجتناب کیا جائے ایثار و بخشش کے سایے میں زندگی گزاری جائے یقیناً اللہ کی بے پناہ نعمتیں نصیب ہوگی۔

خداوند عالم سے دعا کرنی چاہیے کہ وہ ہم سب کو اپنے حامدین اور شاکرین بندوں سے قرار دے اور ایثار و بخشش کرنے والے صالحین بندوں میں ہمیں شامل فرمائے۔

باران رحمت کے نزول سے محرومی

گناہوں کے اثرات سے ہے کہ باران رحمت کا نزول موقوف ہو جاتا ہے اور انسان اللہ کی اس عظیم نعمت سے بہرہ ور نہیں ہوتا۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو بے پناہ نعمتوں سے نوازا ہے اللہ تعالیٰ کبھی بھی کسی قوم اور ملت پر اپنی نعمتیں نہیں روکتا جب تک وہ نافرمانی نہ کریں پروردگار عالم اپنے بندوں پر بہت زیادہ مہربان ہے اور اس کی پاک ذات میں کسی قسم کا کوئی بخل نہیں وہ

جتنی بھی نعمتیں اپنے بندوں پر برسائے خزانہ قدرت میں کسی چیز کی کوئی کمی واقع نہیں ہوتی اس لیے کہ پروردگار عالم غنی بالذات ہے یہی وجہ ہے کہ اس کی رحمت کے چشموں سے ہر ایک سیراب ہو رہا ہے۔

البتہ بعض اوقات بندوں کی عدم صلاحیت اس بات کا موجب بنتی ہے کہ رحمت پروردگار کا نزول موقوف ہو جاتا ہے درحقیقت عدم قابلیت اور صلاحیت کا سبب گناہ اور اللہ کی نافرمانی ہے جس کی وجہ سے رحمت خدا اور نعمت الٰہی کے دروازے مسدود ہو جاتے ہیں اللہ تعالیٰ کی پاک نعمتوں اور مقدس رحمتوں سے ایک باراں بھی ہے اگر بارش نہ ہو تو رزق وروزی میں کمی آجاتی ہے خشک سالی قحط کی صورت اختیار کر جاتی ہے۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ

"انه ما من سنة اقل مطرا من سنة ولكن الله يضعه حيث يشاء ان الله عزوجل اذا عمل قوم بالمعاصى صرف عنهم ماكان قدرنهم من المطر فى تلك السنة الى غير هم والى اتفيافى والبحار والجبال".

(اُصول کافی ج۳ص۳۷۳ واخلاق دینی دراخلاق شیعی تالیف محمد نصر اصفہانی ص۳۳۶)

ہر سال دوسرے سال کی بنسبت بارش کم نہیں برستی مگر جہاں اللہ چاہتا ہے وہاں برساتا ہے تاہم جب بندے گناہوں کا ارتکاب کرتے ہیں تو خداوند عالم اس سال ان کے لیے جتنی باران رحمت کو مقدر فرماتا ہے وہ ان کے لیے روک دیتا ہے اور وہی بارش بجائے ان کے ہاں برسانے کے دوسروں کے ہاں برساتا ہے یا پھر وہ میدانوں، دریاؤں، اور پہاڑوں کے اوپر برسا دیتا ہے۔

اس کے بعد امام علیہ السلام فرماتے ہیں کہ

"فاعتبروا یا اولی الابصار"

"اے صاحبان عقل ودانش عبرت حاصل کرو"۔

ایک اور حدیث میں امام علیہ السلام فرماتے ہیں کہ

"لیس لھم أن یمنعو الزکاۃ الا منعوا القطر من السماء ولولا البھائم لم یمطروا"

(اصول کافی ج۴ص۸۱)

ضروری ہے کہ وہ لوگ زکات کی ادائیگی کو نہ روکیں کیونکہ کہ زکات ادا نہ کرنے سے باران رحمت سے محروم ہو جاؤ گے اگر جانور نہ ہوتے تو (اس صورت حال میں) خدا کبھی ان پر بارش نہ برساتا۔

بارش آنے پر اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے لیکن افسوس ہے کہ جن کا باطن پاک نہیں وہ عظیم نعمت پر بھی کفران کرتے ہیں حقیقت میں ظرف ظرف کی بات ہوتی ہے فی الواقع ان کے دل مریض ہیں پس مشک وعنبر کی خوشبو تندرست انسان کے لیے مفید اور مؤثر ہے مگر زکام کے مریض کے لیے بیماری کے اضافے کا سبب ہے۔

عشق کی چوٹ تو لگتی ہے دلوں پر یکساں "البتہ" ظرف کے فرق سے آواز بدل جاتی ہے

اگر ہم چاہتے ہیں کہ نعمتوں کی فراوانی ہو تو شکر پروردگار بجا لائیں تا کہ نعمتوں سے فیضیاب ہو سکیں خداوند عالم سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اپنے شکر گزار بندوں سے قرار دے۔

گناہ اور عصیان فراموشی کا سبب بنتے ہیں

گناہوں کے مذموم اثرات میں سے ایک اثر یہ ہے کہ انسان کے اوپر نسیان کی مرض لاحق ہو جاتی ہے جیسا کہ پہلے بھی بیان کیا گیا ہے کہ کچھ گناہ ایسے ہیں

جو مستقیما حافظے پر حملہ کرتے ہیں ان میں سے ایک جھوٹ ہے جھوٹ بولنے سے بھی فراموشی اور نسیان لاحق ہو جاتا ہے جھوٹ گناہ کبیرہ میں سے ہے۔

روایت میں ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ

"ان مما اعان الله به علی الکذابین النسیان"

(اصول کافی ج۴ص ۳۸)

جھوٹ بولنے کی سزا یہ ہے کہ اللہ پاک جھوٹوں پر فراموشی کو مسلط کر دیتا ہے یعنی وہ جھوٹ بولتا ہے اور ادھر سے بھول جاتا ہے اور پھر اسے گزشتہ جھوٹ کے مقابل میں ایک اور بات جب کہ وہ بھی جھوٹ ہوتی ہے کہنا پڑتی ہے لوگوں کو اس کی تناقض گوئی کا علم ہو جاتا ہے جس کے نتیجے میں کوئی بھی اس پر اعتماد نہیں کرتا معاشرے میں وہ ذلیل و رسوا ہو جاتا ہے چنانچہ زنا کی بھی دس خصلتوں میں سے ایک نسیان ہے کیونکہ یہ اجتماعی جرم ہے جس سے انسانی و معاشرتی شرافتیں تاراج ہو جاتی ہیں بہر کیف اس کے عامل اور اسباب پر پہلے گفتگو ہو چکی ہے۔

گناہوں کے برے اثرات سے ایک انسان پر فراموشی اور نسیان کا طاری ہو جانا ہے اب یہ کہ کونسی چیزیں گناہوں کی وجہ سے انسان فراموش کر بیٹھتا ہے۔

احادیث میں مختلف امور کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ گناہوں کی وجہ سے انسان مختلف اور انتہائی اہم امور کو بھول جاتا ہے خاص کر وہ امور جو انسان کے روحانی تکامل کا ذریعہ بنتے ہیں جس سے انسان کی باطنی اقدار محفوظ تھیں۔

ان اہم ترین اور حساس امور سے چند پیش خدمت ہیں۔

یادِ خدا

گناہگار یاد پروردگار اور ذات الہیٰ کو بھول جاتا ہے چنانچہ منافقین کے متعلق اللہ پاک ارشاد فرماتا ہے کہ

"نسو الله فنسيهم ان المنافقين هم الفاسقون"

(سورہ توبہ آیت ۶۴)

"منافقین خدا کو بھول گئے پس خدا نے بھی انہیں بھلا دیا ہے اور انہیں اپنے حال پر چھوڑ دیا ہے درحقیقت بدترین گناہگار منافقین ہیں"۔

پیامبر اسلام (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے منافقین کی تین علامات بتائی ہیں فرمایا:

"ثلاث من كان فيه كان منافقا وان صام و صلى وزعم انه مسلم من اذا يمن خان و اذاحدث كذب واذا و عد اخلف".

(اصول کافی ص ۲۹۰ گناہ شناسی ص ۳۳۲)

"جس شخص کے اندر تین خصلتیں پائی جاتی ہیں وہ منافق ہے اگرچہ وہ روزہ دار، نمازی ہی کیوں نہ ہو اور اپنے آپ کو مسلمان ہی کیوں نا تصور کرتا ہو"۔

۱۔ پہلی نشانی یہ ہے کہ وہ امانت میں خیانت کرتا ہے۔ ۲۔ دوسری علامت یہ ہے کہ جب وہ بات کرتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے۔ ۳۔ تیسری نشانی یہ ہے کہ جب وعدہ کرتا ہے تو پھر اپنے وعدے کو وفا نہیں کرتا۔

منافقین نہ فقط جھوٹ بولتے ہیں بلکہ اپنی جھوٹی قسموں سے چاہتے ہیں کہ وہ خدا اور رسول کو دھوکہ دیں جب کہ خدا دلوں کے بھید جانتا ہے اور یہ بھی خدا جانتا ہے کہ کس کے دل میں سچا ایمان ہے..... جب کہ جھوٹ بولنے اور جھوٹی قسموں سے

خدا اور رسولؐ راضی نہیں ہوتے بلکہ توبہ اور استغفار سے اللہ اور رسولؐ راضی ہوتے ہیں۔

منافقین کے لیے سب سے بڑا عذاب اس دنیا میں بے سکونی اور اطمینان خاطر کا کھو جانا ہے کیونکہ انہیں ہر وقت اس بات کی فکر رہتی ہے کہ کہیں ہمارے دل کا راز فاش نہ ہو جائے لہٰذا وہ اس کشمکش میں زندگی گزار دیتے ہیں البتہ یاد رہے کہ ایمان اور نفاق آپس میں ضد ہیں جہاں ایمان ہے وہاں نفاق نہیں اور جہاں نفاق ہے وہاں ایمان نہیں منافقین اور منافقات آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں اور ایک دوسرے کے ساتھ ان کے بڑے گہرے تعلقات ہوتے ہیں جب کہ وہ صاحبان ایمان کے دشمن ہوتے ہیں اسی طرح سورہ رتوبہ میں فرمایا گیا ہے کہ

"المنافقون والمنافقات بعضهم من بعض يأمرون باالمنكر و ينهون باالمعروف ويمنعون ايديهم"

اس آیت میں منافقین کی نشانی بیان کی گئی ہے۔

''منافق مرد اور منافق عورتیں ایک دوسرے کو برائیوں کا حکم دیتے ہیں اور نیکیوں سے روکتے ہیں اور اپنے ہاتھوں کو راہ خدا میں خرچ کرنے سے روکتے ہیں''۔

منافقین کی پہلی توصیف ہے کہ وہ برائیوں کو پھیلاتے اور عام کرتے ہیں اور دوسرا وصف یہ کہ نیکیوں سے روکتے ہیں جو بھی نیکی ہو منافقین کی کوشش اور سازش ہوتی ہے کہ وہ نیکیوں کو مٹائیں اور برائیوں کو پھلائیں۔ اور نیک اعمال بجا نہ لائے جائیں۔

تیسری صفت کی طرف نشاندھی کی گئی ہے کہ وہ راہ خدا میں خرچ نہیں کرتے نتیجتاً انہوں نے اللہ کو بھلا دیا اور اللہ نے بھی انہیں نظر انداز کر دیا ہے۔

درحقیقت منافقین فاسق اور فاجر ہیں اور اسی سورہ میں بعد والی آیہ (68) میں خداوند ذوالجلال ارشاد فرماتا ہے کہ

"وعد الله المنافقين والمنافقات والكفار نار جهنم خالدين فيها وهي حسبهم ولعنهم الله ولهم عذاب اليم"

"منافق مردوں اور منافق عورتوں اور کافروں سے خدا نے جہنم کی آگ کا وعدہ کرلیا ہے کہ یہ لوگ ہمیشہ اس میں رہیں گے اور یہی ان کے لیے کافی ہے اور خدا نے ان پر لعنت بھیجی ہے اور ان ہی کے لیے دائمی عذاب ہے"۔

غرور و تکبر

حدیث قدسی کے اندر ہے اے احمد! "تنسیٰ اذا کبرت" غرور و تکبر بھی نسیان کا باعث ہے جب انسان تکبر کرتا ہے بھول جاتا ہے، فراموشی اس کے اوپر مسلط ہو جاتی ہے۔

سورہ مجادلہ کے اندر اس حقیقت کو یوں بیان فرمایا ہے کہ

"استحوذ علیهم الشیطن فانسهم ذکر الله اولئک حزب الشیطان الا ان حزب الشیطن هم الخسرون".

(سورہ مجادلہ آیت ۱۹)

"شیطان نے ان پر قابو پالیا اور خدا کی یاد ان سے بھلا دی یہ لوگ شیطان کے گروہ سے ہیں یاد رکھو کہ شیطان کا گروہ گھاٹا اُٹھانے والا ہے"۔

جب انسان خداوند عالم کو بھول جاتا ہے اور اسے اپنے اوپر حاضر و ناظر نہیں سمجھتا تو وہ اپنی مرضی کرتا ہے۔

پھر وہ کسی حدود و قیود کا پابند نہیں رہتا اس کے نزدیک ہر قسمی اقدار مٹ جاتی ہیں وہ کسی قسم کی شرافت انسانی کا قائل نہیں ہوتا ظاہر ہے کہ شرافت انسانی اللہ اور اللہ کے رسولؐ کی پیروی میں ہے اور جو اللہ کی حدود کا خیال نہیں رکھتا اس سے انسانی قدر کو کہاں سے تلاش کیا جائے لہٰذا اس سے ہر کام کی توقع کی جاسکتی ہے۔

جس طرح ایک گھر کا کوئی نگہبان اور مالک نہ ہو تو جو چاہے اس میں دست درازی کرے جس کا جو جی چاہے، جیسا چاہے جہاں سے چاہے چرا لے، اسی طرح اگر شریعت کا خیال نہ ہو اللہ اور اس کے رسولؐ کو حاضر و ناظر نہ سمجھے تو ایسے شخص سے بعید نہیں کہ وہ جائز یا ناجائز کام کر گزرے اس کے نزدیک شریعت و دین کا مقام ہی

نہیں رہتا اس لیے کہ وہ اپنے اوپر کسی نگہبان کا قائل نہیں ہے وہ خوف خدا سے بے بہرہ ہے۔ وہ خود کو آزاد خیال کرتا ہے نتیجہ یہ ہوا کہ

گناہوں سے انسان پر نسیان طاری ہوتا ہے اور نسیان سے یاد خدا جاتی رہتی ہے پس گناہوں سے یاد خدا جاتی رہتی ہے۔

موت

یاد خدا کے بعد دوسری منزل یہ آتی ہے کہ انسان موت کو بھی بھول جاتا ہے حالانکہ موت وہ چیز ہے جسے ہر شخص خواہ وہ معتقد ہو یا بد عقیدہ ہو وہ بھی اس کی حقیقت کا انکار نہیں کر سکتا ہر مذہب و مکتب کے ساتھ وابستہ شخص موت کی حقیقت پر کوئی دلیل نہیں مانگتا اس لیے کہ موت ایک زندہ حقیقت ہے کئی جنازے اس نے اپنے سامنے دیکھے ہیں مگر گناہوں کے اثرات اس بات کا باعث بنتے ہیں کہ وہ موت کو بھی بھول جاتا ہے۔

چنانچہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ

"لم یخلق الله یقینا لا شک فیه اشبه بشک لا یقین فیه من الموت".

(تحف العقول ص ۲۷۱)

"خداوند عالم نے وہ یقین کہ جس کے اندر کسی قسم کا کوئی شک و شبہ نہیں رکھا وہ موت ہے"۔

ہر انسان کو یقین ہے کہ ایک دن اسے اس دنیا کو الوداع کہتا ہے مگر گناہ، عصیان، غفلت، دنیا پرستی اور خواہشات نفسانی کے غلبے موت سے غافل کر دیتے ہیں جب کہ اس نے کئی جنازے اپنی آنکھوں سے مشاہدے کیے ہوتے ہیں۔ مگر گناہوں

نے اس کی حقیقی جہت کو موڑ دیا ہوتا ہے اور وہ موت کو شک کی نگاہ سے دیکھ رہا ہوتا ہے کہ جو ایک یقینی منزل کا نام ہے اس میں بھی شک کر بیٹھتا ہے پس گناہ یقین کو شک میں بدل دیتے ہیں۔

گناہ کا بھول جانا

چوتھی چیز کہ جو گناہوں کے اثر سے محو ہو جاتی ہے وہ بذات خود گناہ ہیں یعنی گناہوں کے برے اثرات کو بھول جاتا ہے بعض اوقات اس کی ساری زندگی اسی غفلت میں بیت جاتی ہے اس کے اندر کسی قسم کی پیشمانی اور پریشانی نہیں آتی چنانچہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ

"ثلاث قاصمات الظهر رجل استكثر عمله و نسى ذنوبه و اعجب برايه"

(وسائل الشیعہ ج ا ص ۷۳)

تین چیزیں انسان کی کمر توڑ دیتی ہیں۔

☆ اپنے نیک اعمال کو زیادہ شمار کرنا۔

☆ اپنے گناہوں کو بھول جانا۔

☆ وہ شخص جو اپنے نظریے میں خودسر ہو، اسے بس اپنی رائے ہی اچھی لگے۔

ظاہر ہے جس شخص کے اندر خود پسندی آجائے وہ کبھی کمال اور تکامل کی منازل طے نہیں کر سکتا اس لیے کہ ایسا شخص روحانی اعتبار سے کمزور اور نفسیاتی لحاظ سے ضعیف ہوتا ہے حالانکہ اس کے علم میں ہونا چاہیے کہ راہ خیر میں کوئی دوسری رائے نہیں اور دوسرے اعتبار کے ساتھ کہ جو شخص گناہ کرے اور بھول جائے تو ایسا شخص نیکی کی طرف بھی نہیں آسکتا اس لیے جب تک اس کے اندر گناہ کا احساس ہی پیدا نہیں ہوگا تو وہ نیکی کا تصور کیوں کرے گا لہٰذا گناہ فراموشی، نیکیوں کے راستہ میں

بہت بڑی رکاوٹ ہے جس شخص کے اندر آمریت کا غلبہ ہو، اپنا فیصلہ ہی دوسروں پر ٹھوسنا چاہتا ہو لوگ اسے ڈیکٹیٹر سمجھ کر اس سے نفرت کرتے ہیں بالآخر ایسا شخص کمر شکستہ ہو جاتا ہے لوگ اس کی رائے کا احترام نہیں کرتے معاشرہ میں اسے عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا لہٰذا اپنے معاشرتی امور میں صلاح و مشورہ بہت ضروری امر اور خوش بختی کا راز ہے۔ خودسر ہونا، اپنی رائے ہی کو سب کچھ جاننا درست نہیں ہے۔

ایک اور حدیث میں اس امر کی جانب اشارہ کیا گیا ہے کہ گناہ کی فراموشی خود اللہ پاک کی طرف سے ایک سزا ہے۔

فرمایا!

"اذا رائیتم العبد یتفقد الذنوب من الناس ناسیا لذنبه فاعلمو انه قد مکربه"

(تحف العقول ص ۲۷۱)

"جب کسی شخص کو دیکھیں کہ وہ دوسروں کے عیبوں کی تلاش میں ہے جب کہ اسے اپنے گناہ بھول چکے ہیں تو سمجھ جایئے کہ وہ شخص اللہ کے عذاب اور اس کی سزا میں گرفتار ہو چکا ہے"۔

حضرت امام رضا علیہ السلام فرماتے ہیں کہ

"گناہ کو بھول جانا درحقیقت تطہیر باطنی کے نقص کی دلیل ہے چنانچہ جب انسان کا روح آلودہ اور ناپاک ہوتا ہے تو وہ گناہوں کو بھول جاتا ہے۔

"واذا اراد بعبد شرا انساه ذنوبه"

(میران الحکمہ ج ۳ ص ۴۵۸)

"جب خداوند عالم کسی شخص کو سزا دینا چاہتا ہے تو اس کے گناہوں کو اس کی

یاد سے مٹا دیتا ہے"۔

گناہوں کے ارتکاب سے انسان اللہ کی نعمتوں سے بالکل غافل ہو جاتا ہے پھر اس کے اندر تکبر بھی آجاتا ہے خود پسندی بھی آجاتی ہے خواہشات نفسانی کا بھی غلبہ ہو جاتا ہے وہ گناہوں کے نتیجے میں غفلت کے آلودہ کنویں میں گرا رہتا ہے کہ وہ شکر نعمت جیسی نعمت سے بھی محروم ہو جاتا ہے جب کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی یاد آوری انسان کے لیے بہت بڑا شرف ہے کہ بندہ اپنے مالک کا حق نمک ادا کر رہا ہوتا ہے اور اپنی عقل و فکر کہ جو اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمتیں ہیں انہیں بھی صحیح معنوں میں استعمال کر رہا ہوتا ہے شکر نعمت اس حد تک مہم ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ

"لو کان عندالله عبادة یتعبد بها عبادة المخلصون افضل من الشکر علی کل حال لا طلق لفظه فیهم من جمیع الخلق بها فلما لم یکن افضل منها خصها من بین العبادات و خص اربابها فقال تعالیٰ و قلیل من عبادی الشکور"

(مصباح الشریعہ ص ۵۵) سورہ سباء آیت نمبر ۳

اگر خداوند عالم کے نزدیک شکر سے بڑھ کر کوئی اور نعمت ہوتی تو اللہ کے مخلص بندے اس عبادت کو انجام دیتے اور لازمی طور پر اللہ پاک اس عبادت کے متعلق اپنے بندوں کو باخبر کرتا اس لیے شکر سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں ہے شکر سے بڑھ کر کوئی عبادت نہیں ہے اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنی تمام عبادتوں کو صاحبان شکر کے ساتھ متعارف کرایا ہے اور ارشاد پروردگار ہے کہ اللہ کے بہت قلیل بندے شکر بجالاتے ہیں"۔

لوگوں کی اکثریت اللہ کی نعمتوں سے غافل اور شکر نعمت کی منزل پر نہیں ہے۔

آپ نے ملاحظہ کیا کہ شکر نعمت کیا ہے اور اس کی اہمیت اور افضلیت کیا ہے؟ لہٰذا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے لیے شکر بجالایا جائے۔

حضرت امام سجاد علیہ السلام صحیفہ سجادیہ میں فرماتے ہیں کہ

"والحمد لله الذی لو جس عن عباده معرفة حمده علی ما ابلاهم من مننه المتتابعة واسبغ علیهم من نعمة المتظافرة لتصرفوا فی مننه فلم یحمدوه ولو سعوا فی رزقه فلم یشکروه ولو کانو کذلک لخرجوا من حدود الانسانیة الی حد البهیمیة فکانو کما و صف فی کتابه ان هم کالا نعام بل هم اضل سبیلا".

تمام تر تعریفیں اس پروردگار عالم کے لیے ہیں کہ اگر وہ اپنے بندوں کو حمد و شکر کی معرفت سے محروم رکھتا کہ جو اس نے پے در پے عطا کی ہیں تو وہ ان نعمتوں میں تصرف تو کرتے مگر ان کی حمد نہیں کرتے اور ان کے رزق ایسے ہوتے تو انسانیت کی حدوں سے نکل کر چوپاؤں کی حد میں آجاتے چنانچہ اس توصیف کے مصداق ہوتے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی محکم کتاب میں فرمائی ہے پس وہ تو جو پائیوں کی مانند ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گئے گزرے ہیں بلکہ راہ راست سے بھٹکے ہوئے ہیں۔

امام علیہ السلام نے یہاں شکر پروردگار اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء عقیدتی اور مکتبی بنیادوں کو استوار کیا۔ یعنی انسان کے لیے شکر پروردگار بہت بڑی نعمت ہے اگر وہ شکر پروردگار کی نعمت سے محروم ہے تو پھر اس کی مثال چوپاؤں جیسی ہے بلکہ ان سے بھی بدتر ہے اس لیے کہ جانوروں میں تو عقل و شعور نہیں جب کہ انسان کے اندر یہ عظیم نعمت ہوتے ہوئے بھی شکر منعم بجانہ لائے تو پھر اس سے زیادہ بدبختی کیا ہو سکتی ہے۔

آخرت فراموشی

گناہوں کا اثر ایک یہ ہے کہ انسان عالم آخرت کو بھول جاتا ہے خواہشات نفسانی کے سمندر میں ایسا غرق ہوتا ہے انسان عالم قیامت سے غافل ہو جاتا ہے۔

جب کوئی شخص روز جزاء کو بھول جاتا ہے تو پھر اس پر بدبختیوں کے پہاڑ ٹوٹتے ہیں اس وقت کی متمدن دنیا (Civilisation) ایک طرف تو ترقی کے نعرے بلند کر رہی ہے جب کہ دوسری طرف اضطراب، بے چینی، بدامنی، بے سکونی کے گہرے سمندر میں غرق ہوتی جارہی ہے امن وسکون خاطر نہیں ہے، اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ انسان عالم آخرت کو بھول چکا ہے۔

جس کی وجہ سے اخلاقی، عقیدتی اور فطری تباہی عام ہوگئی ہے درحقیقت عالم آخرت ایسا نظریہ ہے کہ جس سے پریشانیاں دور ہوجاتی ہیں انسان تباہی کی بجائے نجات کے راستہ پر آجاتا ہے اور انسان پرسکون زندگی گزارنے کے اسباب مہیا کرلیتا ہے عالم آخرت کی فراموشی مسلسل خواہشات وآرزوں کی پیروی میں لگے رہنا اور حقائق سے پہلوتہی ہے۔

جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

"ان اخوف ما اخاف علی امتی الھوی و طول الامل، اما الھوی فانه یصد عن الحق واما طول الامل فینسی الاخرة".

(کتاب خصال ج ا ص ۵۱)

میں اپنی امت پر سب سے زیادہ جن چیزوں سے خوف زدہ ہوں وہ خواہشات نفسانی اور لمبی اُمیدیں ہیں اس لیے کہ خواہشات نفسانی انسان کو حق اور

حقیقت سے دور رکھتی ہیں جب کہ لمبی اُمیدیں عالم آخرت کو بھلا دیتی ہیں۔

لہٰذا ان دو چیزوں سے بچنا ہوگا۔

ضروری ہے کہ خواہشات نفسانی پر قابو پایا جائے تا کہ حق کی پیروی کی جاسکی، لمبی اُمیدوں سے اجتناب کیا جائے تا کہ عالم آخرت یاد رہے۔

بالفاظ دیگر جہاں طولانی اُمیدیں ہیں وہاں عالم آخرت نہیں ہے اور جہاں خواہشات نفسانی کا قبضہ ہے وہاں حق وحقیقت کی خبر نہیں ہے۔

لہٰذا عالم آخرت کو یاد رکھنے کے لیے اپنے آپ کو قناعت کی منزل پہ لانا ہوگا شکر گزاری اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی یاد آوری میں زندگی گزارنا ہوگی تا کہ نظریہ قیامت یاد رہے۔ اپنے ہر عمل میں روز جزاء کا تصور رکھنے سے ہی عالم آخرت یاد رہ سکتا ہے۔ جو لوگ اعمال کرتے وقت فقط دنیا کے عالم پر نظر رکھتے ہیں آخرت کے بالکل قائل ہی نہیں یا قائل تو ہیں لیکن بداعمالیوں کی کثرت سے کبھی روز آخرت کی طرف توجہ ہی نہیں گئی تو ایسے لوگ خسارے میں ہیں، خداوند ہمیں قیامت کے دن کو یاد رکھنے والوں سے قرار دے۔

خود فراموشی

گناہوں کے اثرات سے ایک یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو بھول جاتا ہے اس سے بڑھ کر کیا بدبختی ہوسکتی ہے کہ انسان بذات خود اپنے آپ کو گم کر بیٹھے تو وہ دوسروں کو کیا یاد رکھے گا؟ جو اپنی ذات سے غافل ہو وہ سب سے زیادہ نقصان میں ہوتا ہے۔

حضرت امام امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام فرماتے ہیں کہ

"عجبت لمن ینشد ضالتہٗ و قد اضل نفسہٗ فلایطلبھا".

(نحرالحکم ص۴۹۵)

"مجھے تعجب ہے اس شخص پر کہ اپنی گم شدہ متاع کی تلاش میں ہے جب کہ اس نے خود اپنے آپ کو گم کیا ہوا ہے اور وہ اس کی تلاش میں نہیں ہے"۔

اب یہ سوال ذہن میں آ سکتا ہے کہ بالآخر انسان اپنے آپ کو کیونکر بھول جاتا ہے؟

خودفراموشی سے مراد

خودفراموشی یعنی اپنے آپ کو بھول جانا، قرآن اور حدیث کی رو سے بھی ثابت ہے البتہ خودفراموشی کا مطلب یہ نہیں ہے کہ انسان اپنے جسم کو بھول جاتا ہے یا یہ بھول جانا ہے کہ میں اس دنیا کے اندر موجود نہیں ہوں یا اس کا مطلب یہ بھی نہیں کہ وہ اپنے آپ کو ایک خیال سمجھتا ہے بلکہ اگر آپ امام علیہ السلام کے جملوں پر نگاہ کریں تو پتہ چلتا ہے کہ خودفراموشی جسمانی اور مادی نہیں بلکہ معنوی اور روحانی ہے۔

خودفراموشی سے مراد اپنی فطرت کو بھول جانا ہے، اپنی اصلیت اور حقیقت کو بھول جانا ہے انسان تکامل کی منازل طے کرنے کے لیے خلق ہوا ہے وہ اسے بھول جائے جس انسان کا عمل اپنی فطرت سے ہٹ کر ہو تو وہ حقائق کی طرف کیسے توجہ کر سکتا ہے وہ تو درحقیقت اپنے حقیقی اور ذاتی راستے سے منحرف ہو گیا ہے ایسا شخص جو خودفراموشی کی منزل پر ہے اس نے اپنے اصلی راستے کو چھوڑ دیا ہے۔ وہ بھول چکا ہے کہ اس کی خلقت کیوں ہوئی ہے؟ کس لیے ہوئی ہے؟ اور اس کی اصل منزل کیا ہے فطرت کے خلاف جو بھی راستہ ہے وہ خواہشات نفسانی کی چراگاہ ہے۔

پس جس شخص نے اپنی فطری راہ کو گم کیا ہے اس نے درحقیقت اپنے آپ کو گم کر دیا ہے اسے علم ہونا چاہیے کہ خدا نے اسے کس گوہر سے نوازا ہے پروردگار

عالم نے اسے عقل عطا فرمائی ہے جو فطرت کو بھول جاتا ہے وہ صحیح راستہ سے منحرف ہوجاتا ہے۔

چنانچہ ارشاد پروردگار ہے۔

"ولا تکون کالذین نسو اللہ فانسا ھم انفسھم اولئک ھم الفاسقون"

(سورہ حشر آیت ۱۹)

"ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے اللہ کو بھلا دیا پس اللہ نے انہیں خود فراموش بنادیا خدا فراموشی کے نتیجہ میں وہ خود فراموش بن گئے ایسے لوگ ہی در حقیقت فاسق ہیں"۔

خود فراموشی بہت بڑی روحانی بیماری ہے اس کا علاج خدا کی یاد میں رہنا ہے، عالم آخرت کو یاد رکھنا ہے، موت کو یاد کرنا ہے، جو خدا کو یاد رکھتا ہے پھر وہ گناہ نہیں کرتا جسے عالم آخرت یاد ہے اور جسے پتہ ہے کہ اس نے اس دنیا میں ہمیشہ نہیں رہنا بلکہ ایک دن مرنا ہے تو ایسا شخص، پھر گناہ نہیں کرتا۔

توبہ اور استغفار کرنا بھول جانا

گناہوں کی کثرت سے انسان توبہ اور استغفار کو بھی بھول جاتا ہے انسان کے جتنے گناہ ہوں اگر کئی انبار گناہوں کے لگے ہوں توبہ اور استغفار وہ چیز ہے کہ جو ان گناہوں کو محو کر دیتی ہے۔ جو اس سے سرزد ہوتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ توبہ حقیقی ہونی چاہیے چنانچہ اگر استغفار و توبہ حقیقی نہ ہو تو وہ گناہوں کو نہیں دھو سکتی وہ توبہ اور استغفار کہ جس میں حقیقت کا رنگ ہو وہ گناہوں کو مٹا دیتی ہے۔

نہج البلاغہ میں ہے حضرت امام امیر المومنین علیہ السلام کے سامنے کسی نے

سوال کیا کہ استغفار کا کیا معنی ہے آپ نے فرمایا استغفار کا مطلب ''الندم ما مضیٰ'' اپنے کیے ہوئے گناہ پر پشمان اور نادم ہونا ہے لہٰذا استغفار اور توبہ میں اپنے گناہوں پر نادم اور پشمان ہونا شرط ہے اور پھر یہ عہد و پیمان باندھنا کہ اس کے بعد اس گناہ کا تکرار نہیں ہوگا تو اللہ پاک اسے معاف کر دے گا مگر گناہوں کی کثرت اس بات کا باعث بنتی ہے کہ انسان توبہ اور استغفار جیسے خزانے سے بھی محروم ہو جاتا ہے اور انسان کو یاد ہی نہیں رہتا کہ میں نے توبہ بھی کرنی ہے حتیٰ کہ زندگی کے آخری لمحات آجاتے ہیں اور وہ انہی گناہوں کے بوجھ تلے دب کر لقمہ اجل ہو جاتا ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے جب اس آیہ کریمہ کے متعلق پوچھا گیا کہ

''والذین اذا فعلو فاحشه وظلموا انفسهم ذکروا الله فاستغفروا لذنوبهم من یغفر الذنوب الاالله ولم یصروا علی مافعلوا وهم یعلمون''

(سورہ آل عمران آیت ۱۳۵)

''جب یہ آیت نازل ہوئی کہ وہ لوگ جنہوں نے ناشائستہ کام انجام دیئے یا جنہوں نے اپنے اوپر ظلم کیا وہ خدا کو یاد کریں اور اپنے گناہوں کے بارے میں خدا سے توبہ اور استغفار کریں''۔

اور ایسے لوگ کہ جب کوئی ایسا کام کر گذرتے ہیں کہ جس میں زیادتی ہو یا اپنی ذات پر نقصان اٹھاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کو یاد کر لیتے ہیں پھر اپنے گناہوں کی معافی چاہنے لگتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے سوا اور کون؟ جو گناہوں کو بخشتا ہے اور وہ لوگ اپنے عمل پر اصرار نہیں کرتے اور وہ جانتے ہیں۔

ابلیس کی ہدایات

حضرت فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو ابلیس مکہ کے پہاڑوں کے اوپر چڑھ گیا اور اس نے اپنے تمام شیاطین کو اکٹھا کیا جب سب کے سب شیاطین جمع ہوگئے تو انہوں نے ابلیس سے کہا کہ آپ نے کیسے یاد کیا ہے؟ ابلیس نے کہا کہ یہ آیت نازل ہوگئی ہے تم میں سے کون ہے کہ جو اس آیت کا مقابلہ کر سکے ان میں سے ایک نے کہا کہ میں اس طرح اپنا فن استعمال کروں گا اور لوگوں کو گمراہ کروں گا۔ کہ وہ اس پر عمل ہی نہ کر سکیں گے۔

ابلیس نے کہا کہ ٹھیک ہے مگر میں مطمئن نہیں ہوں اور میں تم میں وہ استعداد اور صلاحیت نہیں دیکھ رہا ہوں ابلیس کا دوسرا شاگرد کھڑا ہوا اس نے بتایا کہ میں فلاں فلاں وسائل کو بروئے کار لاتے ہوئے اس آیت کا یوں مقابلہ کروں گا ابلیس نے کہا کہ میں تم میں بھی وہ اہلیت نہیں دیکھ رہا ہوں بالآخر یہ سلسلہ چلتا رہا تو بات خناس تک پہنچی یعنی وہ شیاطین کہ جو انسان کے دلوں میں وسوسے ڈالتے ہیں اس نے کہا کہ میں اس آیت کا توڑ کر سکتا ہوں۔

ابلیس نے پوچھا وہ کیسے؟ خناس نے کہا میں ان سے وعدے وعید کر کے ان کی اُمیدوں کو بڑھاؤں گا تا کہ وہ گناہ کرتے رہیں چنانچہ جب وہ گناہ کریں گے تو استغفار اور توبہ ان کے دل سے مٹ جائے گی ابلیس نے کہا شاباش! تم میں اس کام کی اہلیت اور صلاحیت موجود ہے لہٰذا ابلیس نے خناس کی یہ ڈیوٹی لگائی ہے کہ تا قیام قیامت یہی کام کرتے رہو۔

(امالی شیخ صدوق ص ۴۶۵)

خناس کا کام ہے کہ جب انسان گناہ کرے تو وہ اسے ایسا مصروف کر دے

کہ وہ اپنے گناہ کی معافی نہ مانگ سکے۔ ظاہر ہے جب گناہ بڑھتے جائیں گے تو گناہوں کی کثرت تو یہ اور استغفار بھلانے کا سبب بن جائے گا یہ صورتحال بہت ہی خطرناک ہوگی۔

علم و دانش فراموشی

گناہوں کے اثرات سے ایک یہ ہے کہ انسان علم و دانش کو بھی فر موش کر دیتا ہے وہ علم جو انسان کو جہت دیتا ہے، وہ علم جو انسان کو عمل کی طرف لیجاتا ہے انسان اس علم کو بھول جاتا ہے۔

حضرت امام امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہما السلام فرماتے ہیں کہ

"العلم مقرون بالعمل فمن علم عمل والعلم یھتف بالعمل فان اجابه والا ارتحل عنه"

(الدلیل علی موضوعات نہج البلاغہ ص ۸۰۱ نقل از آثار گناہان)

علم عمل کے ساتھ ہے پس جس نے علم حاصل کیا اسے چاہیے کہ وہ عمل بھی کرے اس لیے کہ علم عمل سے ملا ہوا ہوتا ہے عمل کو پکارتا ہے اگر عمل جواب دے تو ٹھیک!! اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس کے اندر علم موجود ہے اور اگر علم کو عمل جواب نہ دے تو علم اس سے کوچ کر جاتا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ علم اس سے جا چکا ہے۔ علم کی آواز پر عمل نہ آئے تو پھر علم جاتا رہتا ہے۔

امام علیہ السلام نے یہ بتایا کہ علم عمل کا حصہ ہے علم عمل سے جدا نہیں ہو سکتا وہ علم نہیں ہے کہ جس کے اندر عمل شامل نہ ہو اور ایسا علم کہ جس میں عمل نہ ہو وہ علم کا لعدم ہوتا ہے ایسا علم بے نتیجہ ہوتا ہے۔

چنانچہ گناہوں کے اثرات میں سے ہے کہ انسان علم و دانش کو اپنے ہاتھ سے کھو بیٹھتا ہے۔

علم کی اقسام

البتہ یہ بات ذہن نشین رہے کہ اس حدیث سے مراد قطعاً یہ نہیں ہے کہ وہ تمام علوم جو انسان نے حاصل کیے ہیں وہ سب کے سب ذہن سے محو ہو جاتے ہیں بلکہ اس سے مراد علوم کا مفاد ہے درحقیقت جن علوم کا تعلق انسان کے تکامل نفس کے ساتھ ہے یا جس سے انسان سعادت کی منزلیں طے کرسکتا ہے جسے انسانی علم کہا جاتا ہے جس کے ذریعہ وہ خود کو شقاوت اور بدبختی سے بچاتا ہے وہ علوم اس سے محو ہو جاتے ہیں البتہ دیگر علوم کہ جن کا عمل کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے وہ ممکن ہے یاد رہیں مثلاً ریاضی اور ریاضیات کے جتنے فارمولے اور جتنی اصطلاحات ہیں یاد رہتی ہیں اسی طرح فزکس، کمسٹری کی سادہ اصطلاحات اسے یاد رہتی ہے اس لیے کہ ان کا تکامل نفس کے ساتھ رابطہ نہیں ہے۔ البتہ ان کو بھی استعمال میں نہ لایا جائے تو انسان انہیں بھی بھول جاتا ہے یہ بات تجربہ میں آئی ہے کہ علم جو بھی ہو انسانی علوم سے ہو یا ٹیکنیکل علوم سے، سب علوم عمل سے باقی رہتے ہیں۔

فرض کیا کہ کسی کو ریاضی وریاضیات کے زیادہ فارمولے یاد ہوں تو اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ اس میں تقویٰ، اخلاق اور معنویت انسانی بہت زیادہ ہے کیونکہ ریاضیات، الجبراء، فزکس اور کمسٹری کا تعلق ان کے اپنے اپنے شعبوں کے ساتھ ہے ان کا تکامل نفسانی کے ساتھ کوئی سروکار نہیں ہے پس وہ علوم جن کا تعلق تقویٰ، تکامل روح اور تکامل نفس کے ساتھ ہے ان علوم کو گناہوں کے ارتکاب سے انسان بھول جاتا ہے اس لیے کہ یہ علوم ایسے ہیں کہ جن کا تعلق براہ راست تکامل انسانی اور تعمیر روحانی کے ساتھ ہے۔

حضرت امام علی رضا علیہ السلام فرماتے ہیں کہ

"اتقو الذنوب فانها ممحقة للخيرات ان العبد ليذنب الذنب فينسیٰ به العلم الذی کان قد علمه"

(میزان الحکمہ ج۳ص۴۶۵)

"گناہوں سے اجتناب کریں کیونکہ گناہ انسان کی نیکیوں کو برباد کر دیتے ہیں اس میں کوئی شک نہیں کہ جب بندہ گناہ کرتا ہے تو اس کے نتیجے میں وہ اپنی علمی معلومات کو بھول جاتا ہے"۔

اسی طرح امام علیہ السلام ایک اور روایت میں لالچ کے متعلق فرماتے ہیں کہ

"فان الطمع مفتاح للذل واختلاس العقل واختلاق المروات و تدنیس العرض والذهاب بالعلم".

(بحارالانوار ج۷۸ص۳۱۵)

"طمع و لالچ سے پرہیز کریں کیونکہ لالچ ذلت کی چابی اور عقل کی بربادی ہے لالچ جوان مردی کا خاتمہ اور انسان کی عزت وشرافت کو داغدار کر دیتی ہے اور انسان کا علم تباہ و برباد ہو جاتا ہے"۔

اس روایت میں امام علیہ السلام نے طمع اور لالچ کے نقصانات سے آگاہ فرمایا کہ لالچ ذلت کا پیش خیمہ بنتی ہے انسان کے اندر فکری ارتقاء ختم ہو جاتا ہے وہ انسان جو لالچ وحرص مین زندگی گزارتا ہے اس کے اندر سے مروت، جوانمردی اور شہامت جیسی اعلیٰ صفات جاتی رہتی ہیں۔

پس لالچ کے اس گھٹا ٹوپ اندھیرے میں وہ اپنی عزت وشرف کو بھی گنوا بیٹھتا ہے اور اس سے بڑھ کر یہ کہ لالچ کی وجہ سے انسان کے پاس علم و دانش جیسی دولت بھی ہاتھ سے نکل جاتی ہے وہ افراد جو معاشرے کے اندر سوشل کام کر رہے

ہوتے ہیں ان کا مقام، عزت اور شرف اور اپنے علوم کی حفاظت کے لیے ضروری ہے کہ وہ جود وسخاء کی حالت اپنے اندر پیدا کریں۔ لہٰذا جو اذیت کی منزل پر آئیں لالچ وطمع جیسی مذموم روحانی بیماری سے اپنے آپ کو محفوظ رکھ سکیں۔

لالچ انسان کی آبرو ریزی کا سبب ہے۔ لالچ سے عقل کمزور پڑ جاتی ہے، لالچ سے مروت اور رواداری کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ لالچ انسان کے لیے ایک خطرناک بیماری ہے اس کا ایک نقصان یہ بھی ہے کہ انسان کے پاس علم کا خزانہ ہے وہ بھی اس سے چھن جاتا ہے۔ اس کا علاج یہ ہے کہ جود وسخا کے فوائد کو جانیں اور اس اپنائیں۔

آیات الہیٰ کی فراموشی

ایک اور چیز کہ جو عصیان پروردگار کی وجہ سے انسان بھول جاتا ہے وہ اللہ کی عظیم آیات ہیں یہی وجہ ہے کہ ایک گناہگار شخص اللہ کی نشانیوں کو جھٹلاتا ہے۔ ارشاد پروردگار ہے۔

"صم بکم عمی فھم لا یر جعون" یہ لوگ ایسے ہیں جو حق بات نہیں سنتے حالانکہ ان کے علم میں ہے کہ حق بات ہے مگر وہ سننا گوارا نہیں کرتے نہ حق بات کہتے ہیں حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ یہ حق ہے مگر حق کہنا گوارا نہیں کرتے وہ اندھے ہیں حق بات کو قبول نہیں کرتے وہ چشم معنوی سے بے بہرہ ہیں جب کہ وہ جانتے ہیں کہ حق بات ہے مگر وہ تسلیم کرنا نہیں چاہتے یعنی وہ واپس نہیں پلٹ سکتے وہ حق پر عمل نہیں کرتے اور نہ وہ اس سلسلے میں قدم بڑھاتے ہیں پس گناہوں کے اثرات میں سے حق گوئی کا عمل اظہار باطل میں بدل جاتا ہے اور ایسے ہی لوگ قیامت کے دن اندھے شمار ہوں گے اور وہ قیامت کے دن کہیں گے یا اللہ تو نے ہمیں اندھا کیوں

محشور کیا جب کہ۔

دنیا میں ہماری آنکھیں تھیں تو اس وقت رب العزت کا ارشاد ہوگا۔

"کذالک اتتک اٰیاتنا فنسیتھا و کذالک الیوم تنسیٰ".

(سورہ طٰہٰ آیت ۱۲۵)

"کیونکہ دنیا کے اندر تم نے ہماری آیات کو بھلا دیا تھا اور آج اسی طرح تمہیں فراموش کیا جا رہا ہے۔"

لہٰذا جو بھی شخص اللہ کی آیات کا انکار کرتا ہے تو قیامت کے دن وہ اندھا محشور ہوگا۔

معاذ کا رسول اللہؐ سے امر عظیم کا سوال

معاذ بن جبل کی روایت ہے کہ میں حضرت ایوب انصاری کے گھر میں تھا میں نے اس آیہ کریمہ

"ان یوم الفصل کان میقاتا" کے بارے حضور اکرمؐ سے دریافت کیا

(سورہ نباء آیت ۱۷)

"کہ بے شک فیصلے کا دن مقرر ہے"۔

آپ نے فرمایا: معاذ تو نے بہت عظیم امر کے متعلق مجھ سے سوال کیا ہے چنانچہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) رونے لگے فرمایا کہ قیامت کے دن لوگ اس طرح محشور ہوں گے خداوند عالم مومنین کو غیر مومنین سے جدا کرنے کے لیے ایک علامت قرار دے گا بعض لوگ بندروں کی شکل میں محشور ہوں گے، بعض اوندھے منہ لائے جائیں گے، بعض اندھے پیش ہوں گے، بعض گونگے، بہرے محشور ہوں گے، کچھ کا ایسے حشر ہوگا کہ ان کی زبان منہ سے باہر نکلی لٹک کر سینہ تک آئی ہوگی، بعض

لوگ اس طرح محشور ہوں گے کہ ان کے پاؤں کٹے ہوئے ہوں گے، بعض ایسے میدان میں آئیں گے کہ ان سے اس قدر بد بو آرہی ہو گی جیسے مردار سے بد بو آتی ہے، پھر آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے تفصیل بتائی کہ وہ لوگ جن کی شکل بندروں جیسی ہو گی وہ چغل خور ہوں گے۔

سور کی شکل میں آنے والے حرام خور اور رشوت خور ہوں گے۔

اوندھے منہ محشور ہونے والے سود خور ہوں گے۔

اندھے محشور ہونے والے جج ہوں گے۔ جنہوں نے ناحق فیصلے کیے ہوں گے۔

گونگے اور بہرے اس دنیا کے بدکردار لوگ ہوں گے۔

جن کی زبانیں سینوں سے لٹک رہی ہوں گی وہ بے عمل علماء ہوں گے۔

جو زبان سے تو کہتے تھے مگر خود عمل نہیں کرتے تھے۔

ہاتھ پاؤں کٹے افراد وہ ہوں گے جو ہمسائیوں کو دکھ پہنچاتے تھے۔

وہ لوگ جن سے مردار کی طرح بد بو آرہی ہو گی یہ وہ ہوں گے جنہوں نے شہوت رانی کی غرض سے حرام لذتیں اُٹھائیں اور حقوق اللہ اور حقوق العباد ادا نہیں کیے تھے۔

(جوہر الثمین ج ۶ ص ۳۴۹، تفسیر گارز ج ۱۰ ص ۲۷۰، تقنیات الدار ج ۱۲ ص ۸۶)

گناہوں سے نفس امارہ مسلط ہو جاتا ہے

گناہوں کے اثرات سے ایک اثر یہ ہے کہ انسان پر نفس امارہ مسلط ہو جاتا ہے چنانچہ گناہوں کے خطرناک اثرات اس بات کا موجب بنتے ہیں کہ وہ خواہشات نفسانی اور شیطانی آرزوں کا شکار ہو جاتا ہے ایسا شخص نفس امارہ کی ڈیکٹیٹر

شپ اور شیطانی تسلط کے سایے میں زندگی گزارتا ہے۔ نفس امارہ کا اس پر غلبہ ہو جاتا ہے۔

اس کی مثال ایسی ہی ہے کہ جس طرح ایک قوم پر ظالم اور جابر حاکم مسلط ہو تو پھر اس قوم و ملت کی کیا حالت ہوگی؟ اسی طرح اگر مملکت انسانی پر نفس امارہ جیسے موذی ڈیکٹیٹر سوار ہو جائے تو مملکت انسانی کے ساتھ کیا بنے گی؟ یہ بات مسلم ہے کہ جب انسان راہ حق، راہ ولایت، صراط مستقیم اور فطرت کے راستے کو چھوڑ دیتا ہے تو نفس امارہ کے مکمل چنگل میں آجاتا ہے وہ پوری طرح شیطان کی گرفت میں آجاتا ہے جس کے نتیجے میں اس کے لیے واپسی کا راستہ نہیں ہوتا اور اسے ہر وقت شیطانی اور نفسانی خواہشات اپنی طرف کھینچتی رہتی ہیں۔

نفس انسانی کے درجات و مراتب

البتہ ایک بات مخفی نہ رہے کہ نفس انسانی کے بذات خود کئی درجات ہیں۔

کبھی نفس انسانی خوبیوں سے ہمکنار ہوتا ہے کبھی اس میں برائیاں آجاتی ہیں یعنی اس کی دو جہت ہیں اچھائی کی بھی ہے اور برائی کی بھی ہے۔

جو شخص نفس کو مہار کرتا ہے وہ اچھائیوں کی طرف جاتا ہے اور جو اسے بے لگام چھوڑتا ہے وہ برائیوں کی طرف جاتا ہے۔

لہٰذا انسان کو خود فیصلہ کرنا چاہیے کہ نفس انسانی کو کس طرح اور کس سمت اس نے لے جانا ہے اگر وہ اپنے نفس پر قابو پالے اور اسے مہار کرے یعنی اس کا کنٹرول عقل کے ہاتھ میں دے دے تو پھر وہ گناہوں، بدکاری اور عصیان سے وہ محفوظ رہتا ہے۔

اس کی مثال ایسے ہی ہے کہ اگر کسی کے پاس سواری کے لیے گھوڑا ہے

جب تک گھوڑے کی لگام سوار کے ہاتھ میں ہوتی ہے تو سوار کی مرضی کے تحت اس کا حرکت کرنا اور ٹھہرنا ہوتا ہے لیکن اگر اس کی لگام ہاتھ سے جاتی رہے تو پھر گھوڑے کی مرضی کے اوپر موقوف ہوگا کہ وہ اسے کس سمت لے جاتا ہے۔ چاہے تو اسے پہاڑ سے گرادے، چاہے تو دریا میں پھینکے یا کسی اور گڑھے میں گرادے۔

نفس انسانی مثال نفس انسانی کی مثال اسی طرح ہے نفس بھی ایک سرکش گھوڑے کی مانند ہے انسا کی پرواز کی سواری یہی ہے۔ شرط یہ ہے کہ اس کی باگ ڈور اور کنٹرول عقل کے پاس نہ ہو، اور اگر نفس کا اختیار اس کے اپنے پاس ہو عقل کا عمل دخل نہ ہو تو یہ انسان کو ہلاکت میں ڈال دے گا۔ انسان کی راہنمائی عقل پر ہے چنانچہ جو شخص عقل کی بجائے نفس امارہ کی حکمرانی میں آجائے تو وہ بد بخت اور رسواء ہوجاتا ہے نفس امارہ اسے ہر دم گناہوں کا حکم دیتا ہے، دھوکہ، سازش، ریاکاری، ظلم و استعداد دوسروں کے حقوق کی پامالی، ناموس کی بے حرمتی اور ہر قسم کے خطرناک جرائم کی طرف اسے لیجاتا ہے۔

چنانچہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام فرماتے ہیں کہ

"اقمعوا هذه النفوس فانها طلعة ان تطيعوها تزغ بكم الى شرغاية"

(نحرر الحکم ص ۱۳۸)

"سرکش نفوس کو کنٹرول کریں اور انہیں لگام دیں اس لیے کہ نفس امارہ کی پیروی بدترین مقام پر لے جاتی ہے"۔

چنانچہ نفس امارہ جب انسان کی فکر پر مسلط ہوجاتا ہے تو اس کی تمام تر سوچ شیطانی وسوسوں کی عکاسی کرتی ہے اور جب خواہشات نفسانی زبان کے اوپر حاکم ہوتی ہیں تو اس کا کام چغل خوری، غیبت، تہمت، دوسروں کے عیب تلاش کرنا،

جھوٹ، فریب میں گزرتا ہے جب نفس انسانی آنکھوں پر مسلط ہوتا ہے تو چشم چرانی اس کی عادت بن جاتی ہے نامحرموں کو دیکھنے سے وہ لذت محسوس کرتا ہے بعض اوقات نفس امارہ تمام وجود کو اپنی غلامی میں لے لیتا ہے ایسا شخص ہمیشہ بے راہ روی اور فطرت انسانی سے دور زندگی گزارتا ہے اس کی مثال ایسی ہے کہ ایک گاڑی ہو جس کی بریکیں جواب دے گئی ہوں یا کسی گاڑی کا ٹائی راڈ کھل جائے تو وہ کسی درخت و دیوار سے ٹکرا کر سوار کو ہلاک کر دے گی نفس امارہ کو کنٹرول نہ کیا جائے تو وہ ہر دم انسان کو مفاسد اور گمراہی کی طرف لے جاتا ہے۔

حضرت امیر المومنین علیہ السلام فرماتے ہیں کہ

"من اطاع نفسه فی شقوتها فقد اعانها علی هلاکتها"

(غرر الحکم جلد نمبر ص ۶۸۳ حدیث نمبر ۱۱۳۱ ترجمہ انصاری)

"جو شخص اپنی شہوت رانی میں اپنے نفس کی اطاعت کرتا ہے تو وہ درحقیقت اپنی ہلاکت کا سامان کر رہا ہے یا اس نے درحقیقت اپنی ہلاکت کا سامان فراہم کر لیا ہے اگر کوئی شخص نفس کا اسیر ہو جائے تو اس کے ہاں فکری آزادی ختم ہو جاتی ہے اور ایسا شخص روحانی اقتدار اور معنوی قدروں سے محروم ہو جاتا ہے درحقیقت نفس امارہ انسان کے لیے بہت خطرناک دشمن ہے جو انسان کو راہ تکامل اور راہ فطرت سے منحرف کر دیتا ہے جو شخص نفس امارہ کی اسارت میں ہے وہ اس دنیا میں ایک قسم کا زندہ لاشہ ہے وہ ظاہراً تو انسان کی صورت میں ہے مگر باطنی لحاظ سے وہ بہت خطرناک شکل رکھتا ہے ایسے شخص سے ہر قسم کی برائی تصور کی جا سکتی ہے اس کی مثال ایسی ہی ہے کہ جس طرح ایک دریا کی طلاطم خیز موجوں میں ہو اور مقاومت کی سکت نہ رکھتا ہو آپ ذرا سوچیں اس کا کیا حشر ہوگا ایسا شخص غرقاب ہی ہوگا۔

اسی طرح جو شخص نفس امارہ کی طلاطم خیز موجوں میں گرفتار ہوجاتا ہے تو اسے سوائے تباہ کاری کے کچھ نہیں سوجھتا ایسے لوگ دنیا کے اندر بدترین جرائم کے ارتکاب میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتے اور وہ اپنی خواہشات نفسانی کی تکمیل میں ہر کام کر گزرتے ہیں۔

شہید مطہری کا نفس امارہ بارے بیان

استاد شہید مرتضٰی مطہریؒ اپنی کتاب اخلاق جنسی کے ص ۵۱ پر رقمطراز ہیں۔

''بہت تعجب کا مقام ہے کہ قرآن کریم نے نفس کے اوصاف کے متعلق ارشاد فرمایا: ''داعیة بالسوء'' یعنی برائی کی طرف دعوت دینے والا ہے بلکہ ارشاد پروردگار ہے ''امارة بالسوء'' برائی اور شر کی طرف زیادہ حکم دینے والا ہے در حقیقت قرآن کریم اس مطلب کو سمجھانا چاہتا ہے کہ انسان کے نفسانی احساسات جب طغیانی پر اترا آتے ہیں تو اسے نہ فقط جرائم اور انحرافات کی طرف دعوت دیتے ہیں بلکہ اس کی مثال اس ڈیکٹیٹر بادشاہ کی ہوتی ہے کہ جو اپنی رعایا کے اوپر مسلط ہوتا ہے اور ان پر جبر کر رہا ہوتا ہے اپنی ہر آرزو پوری کرنے پر لگا ہوتا ہے نفس کی جب حکومت ہو تو وہ اس انسان کو اس جابر حاکم کی طرح حکم دیتا ہے''۔

اگر نفس کو کنٹرول نہ کیا جائے تو وہ حالت طغیانی پہ اُتر آتا ہے شیطانی حکمرانی سے فقط مخلصین ہی محفوظ رہ سکتے ہیں۔

شیطانی حملوں کی کیفیت

چنانچہ نفسانی اور شیطانی حملے دو طرح کے ہوتے ہیں پہلا حملہ قوت ارادی کو ختم کرنا ہے دوسرا کام قوت تحریکی پر ہے چونکہ انسان اپنے ارادے اور اختیار کے

لحاظ سے آزاد ہے جب شیطان کے وسوسوں کا شکار ہو جاتا ہے تو وہ برائیوں کی طرف چلا جاتا ہے۔

البتہ یہ بات واضح رہے کہ شیطان انسان پر جبر نہیں کرتا اگر انسان اپنی جوانمردی کا ثبوت دے تو اس کے ہر حملے کو پسپا کر سکتا ہے اسی لیے قرآن کریم نے ان مجرموں کی حکایت بیان کی ہے جو قیامت کے دن شیطان کے پاس آ کر اسے لعن طعن کریں گے کہ تو نے ہمیں گمراہ کیا مگر شیطان ان کے جواب میں کہے گا۔

"وقال الشیطان لما قضی الامر ان اللہ وعدکم وعدالحق و وعدتکم فاخلفتکم وما کان لی علیکم من سلطان الا انی دعوتکم فاستجبتم لی فلا تلومونی ولوموا انفسکم وما انا بمصرخکم وما انتم بمصرخی انی کفرت بما اشرکتموتی وانا من قبل ان الظالمین لھم عذاب الیم"

(سورہ ابراہیم آیت ۲۲)

اور شیطان تمام امور کا فیصلہ ہو جانے کے بعد کہے گا کہ اللہ تعالیٰ نے تم سے بالکل برحق وعدہ کیا تھا اور میں نے بھی ایک عہد و پیمان باندھا تھا پھر میں نے اپنے وعدے کی مخالفت کی اور میرا تمہارے اوپر کوئی زور بھی نہیں تھا سوائے اس کے کہ میں نے تمہیں دعوت دی اور تم نے اسے قبول کر لیا تو اب تم میری ملامت نہ کرو بلکہ اپنے نفس کی سرزنش کرو کہ میں نہ تمہاری فریاد رسی کر سکتا ہوں اور نہ تم میری فریاد کو پہنچ سکتے ہو میں تو پہلے ہی سے اس بات سے بیزار ہوں کہ تم نے مجھے اس کا شریک بنا دیا اور بے شک ظالمین کے لیے بہت بڑا دردناک عذاب ہے۔

شیطان کی گفتگو کا نتیجہ آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ شیطان ایک حقیقت کا نام ہے جس کا کام دھوکہ اور مکروفریب ہے وسوسوں کے ذریعے دعوت دیتا ہے انسان یا

اختیار ہے کہ وہ اس کی دعوت کو قبول کرے یا نہ کرے اور انسانوں کا فریضہ ہے کہ اس کے مکر و فریب سے خود کو محفوظ رکھیں درحقیقت یہ بات تقویٰ الہیٰ اور خشیت پروردگار کے سایے میں ہی میسر آ سکتی ہے ظاہر ہے اگر علم و آگہی کے ساتھ تقویٰ الہیٰ شامل نہ ہو تو وہ علم نہ فقط روشنی سے عاری ہوگا بلکہ اجتماعی زندگی اور تہذیب و تمدن کے لیے وبال ہوگا خارجی عوامل، باطنی خواہشات اور شیطانی وسوسوں کا مقابلہ نہیں کر سکے گا تقویٰ الہیٰ اس معنوی طاقت کا نام ہے کہ جو انسان کو خواہشات کے طلاطم خیز موجوں میں محفوظ اور مصون رکھتی ہے۔

انسانوں کے تین گروہ

شیطانی وسوسوں کے مقابل میں عام طور پر انسانوں کے تین گروہ ہیں۔

☆ مخلصین کا گروہ کہ جو شیطانی حیلوں اور حربوں کی زد میں نہیں آتے ان کا ہدف اور مقصد فقط ذات پروردگار کی خوشنودی ہوتا ہے لہٰذا وہ اسی راستہ پر، سیر و سلوک پر کام کرتے ہیں مخلصین تقویٰ کے اسلحہ سے لیس، علم و بصیرت سے آراستہ، نفس امارہ کی غلامی اور شیطان کے تسلط سے پاک ہوتے ہیں اسی وجہ سے مخلصین کو شیطان گمراہ نہیں کر سکتا۔ بلکہ شیطان نے جب انسانوں کو گمراہ کرنے کا اعلان پروردگار کے سامنے کیا تھا تو اس وقت یہ بھی کہا تھا کہ تیرے مخلصین کو گمراہ نہیں کروں گا۔

☆ یہ گروہ مخلصین کی منزل پر تو نہیں ہوتا مگر منزل تقویٰ پر ہوتا ہے کہ جس کی بنیاد پر شیطان کا حملہ کامیاب نہیں ہوتا بعض اوقات لغزش سرزد ہو جاتی ہے تو وہ پشیمان اور پریشان ہو جاتے ہیں وہ ہر دم اپنی اصلاحی کوششوں کو جاری رکھے ہوتے ہیں۔

☆ تیسرا گروہ وہ ہے کہ جو مکمل طور پر شیطانی قبضے میں اسیر ہوتا ہے ایسے لوگوں کا تمام تر اختیار و ارادہ شیطان کے تابع ہوتا ہے گویا ان کے تمام اعضاء و جوارح شیطان کے کام کی عکاسی کرتے ہیں ایسے لوگ شیطان کی نمائندگی میں وقت گزارتے ہیں چنانچہ ارشاد پروردگار ہے:

"انما سلطانه علی الذین یتولونه" (سورہ نحل آیت ۱۰۰)

''شیطان ان پر مسلط ہے جو اپنی ولایت اور اختیار کو اس کے حوالے کر دیتے ہیں''۔

ظاہر ہے جو شیطان کے تابع ہو جاتا ہے تو پھر اس کا ارادہ و اختیار اس سے چھن جاتا ہے۔

حضرت امام امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام فرماتے ہیں کہ

"العقل صاحب جیش الرحمان والهویٰ قائد الجیش الشیطان والنفس متجاذبة بینهما فایهما غلب کانت حیزه"

(غرر الحکم ص ۹۶)

''عقل رحمان کے لشکر کا جرنیل ہے جب کہ خواہشات اور ہوائے نفسانی شیطان کے لشکر کی سالار ہیں نفس انسانی ان دو محاذوں کے درمیان ہے دونوں کمانڈر اسے اپنے لشکر میں شامل کرنا چاہتے ہیں دونوں اپنی اپنی طرف اسے کھینچ رہے ہوتے ہیں۔ جو بھی ان میں سے فاتح ہوتا ہے وہ نفس انسانی کو اپنے قابو میں لے لیتا ہے''۔

درحقیقت یہی حق و باطل کی کشمکش ہے اگر عقل سلیم کا ساتھ دیا تو حق ہے اور اگر خواہشات نفسانی کی پیروی کی تو وہ باطل ہے ان دو طاقتوں کی جنگ میں عقل فاتح ہوئی تو وہ اطاعت پروردگار کی منزل پر آجائے گا اور اگر اپنے ارادے و اختیار کو

استعمال نہ کیا اور شیطانی لشکر غالب آ گیا تو وہ اسے معصیت خدا کی طرف لے جائے گا۔

پروردگار عالم سے دعا کرنی چاہیے کہ وہ ہمیں عقل سالم اور نور کامل عطا فرمائے تا کہ ہم شیطانی وسوسوں اور نفس امارہ کے تسلط سے خود کو محفوظ رکھ سکیں اور خداوند عالم ہمیں اپنے مخلصین اور اطاعت گزار بندوں میں شامل فرمائے۔

گناہ اولیاء خدا کی دشمنی کا باعث بنتے ہیں

گناہوں کے برے اثرات سے ایک اثر یہ ہے کہ انسان اولیاء خدا کے ساتھ دشمنی کرتا ہے معصیت کار اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں سے نفرت کرتا ہے جس طرح زہد وتقویٰ، اولیاء الہیٰ کے قریب لاتا ہے اسی طرح گناہ وعصیان نیک لوگوں سے دوری کا باعث بنتے ہیں گناہوں کی دلدل میں گرفتار نہ فقط نورانی محفلوں کو پسند نہیں کرتا بلکہ وہ ان سے نفرت بھی کرتا ہے اس لیے کہ معصیت طاہرین کے ساتھ عدم پیوستگی کا موجب بنتی ہے لہٰذا دلوں کو قریب لانے کا ایک ہی راستہ ہے اور وہ ذات پروردگار ہے اگر رشتہ رب کی ربوبیت سے مضبوط ہے اور دل خدا کے قریب ہے اور دوسری طرف سے وہ اضطراب و پریشانی سے بھی محفوظ ہے پس جو لوگ زہد و تقویٰ کے سایے میں زندگی گزارتے ہیں وہ اولیاء خدا کے عاشق اور ان کے دیدار کے مشتاق ہوتے ہیں ان کے دل محبت سے لبریز ہوتے ہیں جب کہ گناہ وعصیان دل سے مہر ومحبت، پیار والفت کو چھین لیتے ہیں۔

حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہما السلام فرماتے ہیں کہ

"من تتبع خفیات العیوب حرمه الله سبحانه مودات القلوب"

(غرر الحکم ص ۶۸۳)

''جو شخص دوسروں کے عیبوں کی تلاش میں رہتا ہے تو خداوند عالم لوگوں کے دلوں سے اس کی محبت کو اُٹھا دیتا ہے دوسروں کے دلوں میں اس کی محبت کی جگہ نہیں رہتی''۔

اس لیے کہ مقلب القلوب (دلوں کو پھیرنے والی ذات) پروردگار کی ذات ہے جیسا کہ دعا میں پڑھتے ہیں کہ

''یا اللہ یا رحمن یا رحیم یا مقلب القلوب ثبت قلبی علی دینک''

''اے میرے معبود! اے رحمان و رحیم اے پروردگار! اے دلوں کو پھیرنے والے رب، مجھے اپنے دین پر ثابت قدم رکھ:

ٹوٹے ہوئے دلوں کو اللہ پاک سہارا دیتا ہے اور جوڑتا بھی ہے جو لوگ دوسروں کے عیبوں کی تلاش میں ہوتے ہیں اور دوسروں کے عیبوں کو اچھالتے ہیں خدا ان کی محبت کو ہر ایک دل سے نکال دیتا ہے یعنی لوگ ایسے لوگوں کے ساتھ نفرت کرتے ہیں۔

حدیث میں ملتا ہے کہ:

''من رضی عن نفسہ کثر الساخط علیہ''

(نہج البلاغہ کلمات قصار۔٦)

''جو شخص اپنے آپ کو پسند کرتا ہے وہ دوسروں کے لیے اتنا ہی ناپسند ہو جاتا ہے''۔

امام علیہ السلام نے واضح فرمایا کہ خود پسندی دوسروں کی ناپسندی کا باعث بنتی ہے دوسرے لوگ اسے حقارت و نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں کوئی اچھا انسان اس کا دوست نہیں ہوتا درحقیقت جو شخص اپنے آپ کو نمایاں کرنے کی کوشش کرتا ہے اور

دوسروں پر اپنی فوقیت کا مظاہرہ کرتا ہے اسے لوگ عزت و احترام کی نگاہ سے نہیں دیکھتے بلکہ لوگ اسے اتنا بھی سمجھنے کو تیار نہیں ہوتے جتنا وہ ہوتا ہے چہ رسد کہ وہ جتنا اپنے آپ کو سمجھ رہا ہوتا ہے۔ وہ اتنا اسے تسلیم کرلیں۔

خود پسند شخص ایک قسم کا عاجز اور درماندہ انسان ہوتا ہے وہ زندگی تو گزارتا ہے مگر بھرے جہاں میں تنہا ہوتا ہے اچھے لوگ اسے پسند نہیں کرتے۔

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام فرماتے ہیں کہ

"اعجز الناس من عجز من الاکتساب الاخوان واعجز منه من ضیع من ظفر به منهم"

(کلمات قصار ۱۱)

لوگوں میں سب سے زیادہ پس ماندہ اور درماندہ شخص ہے جو اپنی عمر میں کچھ دولت اپنے لیے بنا سکے اور اس سے بھی زیادہ عاجز وہ شخص ہے کہ جو دولت بنا کر کر کھو دے۔

درحقیقت جاذبیت انسان میں ہونی چاہے، فقط قوت مدافعت کافی نہیں اخلاق و خندہ پیشانی سے پیش آنا، شیرین کلامی، سنجیدگی جیسی صفات دوسروں کو قریب لاتی ہیں، خوش اخلاقی کے لیے جسمانی شقت چاہیے اور نہ دماغی کاوش..... دوست بنانا مشکل امر ہے جب کہ تعلقات کو خوشگوار رکھنا آسان بات ہے لہٰذا جو شخص ایسی چیز کی بھی حفاظت نہ کر سکے تو پھر اس سے بڑھ کر بھی کوئی اور عاجز اور درماندہ شخص نہیں۔

کامیابی کا راز

کامیابی کا راز اخلاص میں مضمر ہے اور جاذبیت کا راز خوش اخلاقی اور خندہ پیشانی میں پوشیدہ ہے جو شخص ریاکاری، خود پسندی اور خود نمائی سے مقبولیت چاہتا ہے اور چند روزہ وھمی لذت حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے تو خداوند عالم کی ذات دلوں کو پھیرنے والی ہے..... خداوند ایسے شخص کے لیے دلوں میں نفرت کو پیدا کر دیتا ہے لوگوں کے سامنے اس کے نواقص اور کمزوریاں ظاہر ہو جاتی ہیں ویسے تو کوئی بھی کمزوریوں سے خالی نہیں سوائے طاہرین..... مگر خدا ستار العیوب ہے، عیبوں کو چھپاتا ہے، جو شخص دوسروں کے عیبوں کی تلاش میں ہوتا ہے تو خدا اس کے عیبوں کو مجمع عام میں منتشر کر کے اسے ذلیل ورسوا کر دیتا ہے پس اپنی تمنائیں پروردگار پر چھوڑیں، ساری دنیا اگر کسی کی تعریف کرے جب کہ پروردگار کی نگاہ میں اس کی کوئی عزت نہ ہو تو پھر ایسی تعریف پر لعنت بھیجئے اور اگر پوری دنیا خلاف ہو جائے مگر پروردگار کی نگاہ میں وہ آبرو مند ہو تو دنیا کی دشمنی اور عناد کی ذرہ برابر کوئی ولیو(Value) نہیں ہے معیار ذات توحید ہے لوگ نہیں۔

جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ

"من طلب محامد الناس بمعاصی اللہ عاد حامدہ من الناس ذاما"

(نہج الفصاحۃ ص ۵۷۵)

"جو شخص اللہ کی معصیت کر کے لوگوں کی تعریف وتمجید چاہتا ہے تو جو اس کی تعریف کرنے والے ہوتے ہیں وہی اس کے دشمن بن جاتے ہیں"۔

خوشنودی پروردگار عالم مہم ہے اللہ تعالیٰ دلوں کو قریب لاتا ہے گناہ و عصیان دلوں کی آپس میں دوری کا باعث بنتے ہیں لہٰذا ایک گناہگار انسان نہ فقط

بندگان خدا کے ساتھ نفرت کرتا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ اور اولیاء کے ساتھ بھی دشمنی کرتا ہے اس لیے کہ اولیاء خدا کا دل، حرم الہیٰ ہوتا ہے جب کہ معصیت کار کا دل شیطان کا گھر ہوتا ہے..... حرم خدا میں غیر خدا کا کوئی مقام نہیں اور جہاں پر غیر خدا کا بسیرا ہو وہاں اولیاء خدا کا عمل دخل نہیں..... اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں سے محبت کے لیے زہد و تقویٰ کا ہونا ضروری ہے تا کہ دنیا و آخرت میں خیر و سعادت کی زندگی گزار سکیں۔

اختتامیہ

لہٰذا دعا کرنی چاہے کہ پروردگار عالم! تو اپنے اولیاء کی محبت بالخصوص واسطہ، دعاء، فیض، حضرت حجت حق امام زمانہ (عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف) خاتم اوصیاء کی محبت کو ہمارے دلوں میں جگہ عطا فرما۔

خدایا! محمد وآل محمدؐ کے صدقے ہمارے مولیٰ اور آقا کے ظہور میں تعجیل فرما اور ہمیں اپنے مولیٰ کے جمال مقدس کی زیارت سے شرفیاب فرما۔

پروردگارا! ہمیں اپنے امامؑ کے اصحاب، مجاہدین، حمایت کرنے والوں اور مشن مقدس کے مبلغین سے قرار دے اور ہمیں امام زمانہ (عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف) کی دعائیں شامل ہوں۔

خداوندا! ہمارے دلوں کو محبت اہلبیت علیہم السلام سے سرشار فرما۔

خدایا! ہمارے نفوس اور ہماری عقول کو قرآن وعترت کی معرفت سے نورانی فرما۔

پروردگارا! بحق محمد وآل محمدؐ ہماری اولاد، ہماری نسل جوان، کو ولائے اہلبیت علیہم السلام نصیب اور مشن حسین علیہ السلام ابن علی علیہ السلام کا مبلغ و مروج بنا۔

خدایا! بحق محمد وآل محمدؐ، ہمارے جملہ گناہاں صغیرہ وکبیرہ کو معاف فرما، ہماری خطاؤں سے درگزر فرما۔

پروردگارا! امام زمانہ (عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف) کے ظہور میں تعجیل

فرما۔

خدایا! بحق محمد و آل محمدؐ قیامت کے دن ہمیں (اہلبیت علیہم السلام) کے ساتھ محشور اور ان پاک اور برگزیدہ ہستیوں کی شفاعت نصیب فرما۔

"الحمد لله اولا و آخراً و صلی الله علی رسوله و اهل بیته صلاةً دائمةً والعن اعدائهم من الاولین و الآخرین"

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہٗ!

غلام حسین عدیلؔ

جمعرات ۲۶ جون ۲۰۰۳ء بمطابق

۲۵ ربیع الثانی ۱۴۲۴ ہجری قمری۔

ماہنامہ

پیامِ زینب سلام اللہ علیہا

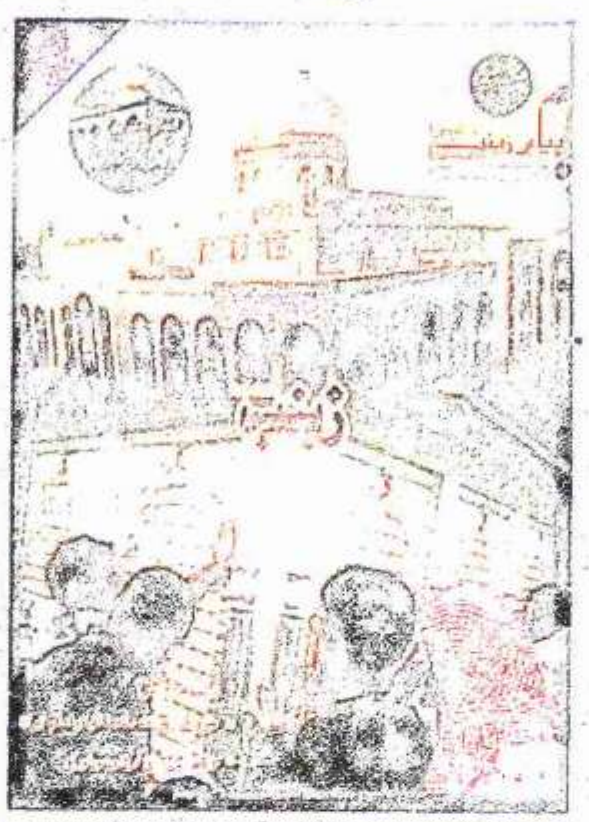

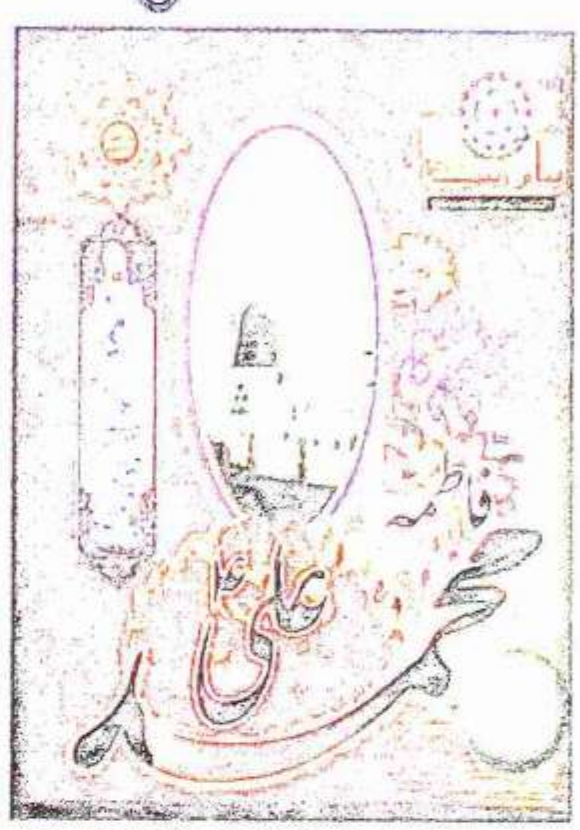

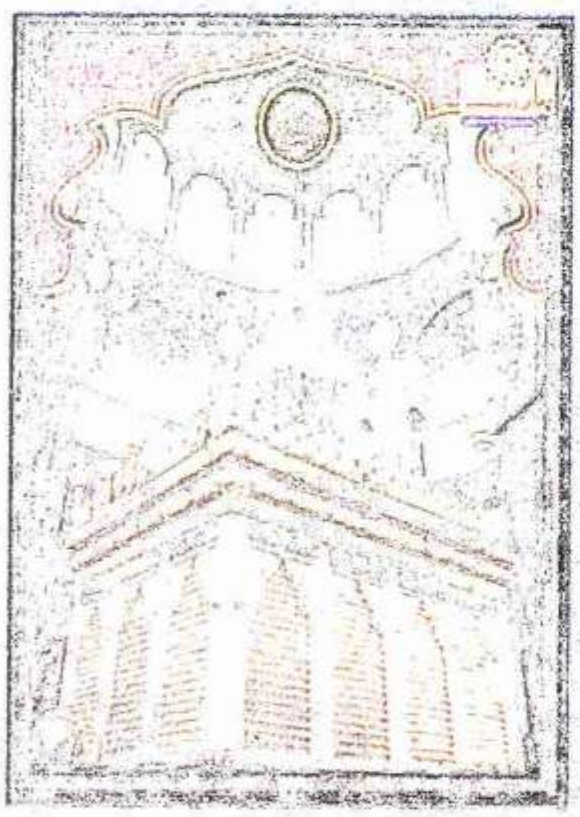

پاکستان میں خواتین کا پہلا اسلامی، تحقیقی اور معلوماتی جریدہ

جس میں!

جامعہ السیدہ خدیجۃ الکبریٰؑ پکی شاہ مردان ضلع میانوالی

Ph:0459-392484-392264 042-7115774

Website: http:geocities.com/piyyam/ Email: almahdi_14@yahoo.com piyym@hotmail.com